فہرست

اداریہ	ابتدا تیرے نام سے	صائمہ اسما	5
انوار ربانی	فتنے اور آزمائش	فریدہ خالد	7
قولِ نبیؐ	دعا	ڈاکٹر مقبول احمد شاہد	10
خاص مضمون	امریکی دہشت گردی میں میڈیا کا استعمال	میر بابر مشتاق	15
نوائے شوق	نعت رسولؐ مقبول	مسرت فاطمہ	21
	دھڑکن نبی نبی کہے	عشرت لطافت	21
	غزلیہ	شمیم فاطمہ	22
	طیبہ کی یاد میں	پروین سیف	23
حقیقت وافسانہ	دستِ دعا	قانتہ رابعہ	24
	یہ کیسی راہی	طوبیٰ احسن	28
ناولٹ	کہیں چاند راہوں میں کھو گیا	نصرت یوسف	33
نمایاں خواتین کا تذکرہ	دو گناہ گار عورتیں	آسیہ راشد	40
سفرِ سعادت	عرفات کا دن	قانتہ رابعہ	46
ہلکا پھلکا	وہ لمحہ!	ڈاکٹر سعدیٰ مقصود	50
	چلتے چلتے	فرزانہ چیمہ	53
نہال خانۂ دل	کتابیں اپنے آبا کی	افشاں نوید	57
انشائیہ	خراجِ تحسین	شمیم فاطمہ	59
خفتگانِ خاک	آپا کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات	حسین فاروق/عالیہ حسین فاروق	61
	نفسِ مطمئنہ	شائستہ انوار	63
رپورتاژ	چمنِ بتول کے کچھ رنگ	امینہ ناصرہ سراج	65
غذا وصحت	چھوٹی تبدیلی کے بڑے نتائج	شہناز یونس	67
محشرِ خیال	قانتہ رابعہ، امینہ سراج، رفعت اشتیاق		68
گوشۂ تسنیم	حسین بننے کے لئے یزید کی ضرورت رہے گی	ڈاکٹر بشریٰ تسنیم	70
منتخب کالم	زمین کے تیور	اوریا مقبول جان	72
	اشاریۂ بتول 2011ء	فرزانہ چیمہ	74

ابتدا تیرے نام سے

قارئین کرام! نئے سال کا استقبال نئے عزائم اور نئے امکانات کے ساتھ، اور ہمیشہ کی طرح یہ دعا کہ یہ آنے والا سال ہماری ذاتی اور قومی زندگی میں رحمتوں، برکتوں، سلامتی اور عافیت کا سال ثابت ہو آمین۔

کراچی سمیت سندھ کے کئی دیگر شہروں میں ''نامعلوم افراد'' کی فائرنگ نے خوف و دہشت کی فضا پیدا کر دی۔ گلیاں اور بازار سنسان ہو گئے۔ حسب معمول کوئی بھی شر پسند پکڑا نہ جا سکا۔ پھر پشاور ایئرپورٹ پر ''دہشت گردوں'' کا حملہ ہوا جس میں رپورٹس کے مطابق دو حملہ آوروں نے خود کو اڑا لیا اور باقیوں کو مار ڈالا گیا، جو سرکاری بیانات کے مطابق ازبک دہشت گرد تھے۔ اخبارات میں بیرونی نیوز ایجنسی کی ایک تصویر شائع ہوئی ہے جس میں ایک حملہ آور کی پشت پر خوف و دہشت کی علامت کے ٹیٹو کندہ ہیں۔ یہ ٹیٹو بنوانے والے کون لوگ ہیں جبکہ ''طالبان''، ''جہادی'' اور ''مذہبی انتہا پسند'' تو اس کو شدید گناہ سمجھتے ہیں؟ اور اگر ٹیٹو بنے ہوتے تو کیا وہ جہادی تھیم کے مطابق نہ ہوتے؟ اس کا جواب یا تو رحمان ملک اور ان کے حواری دے سکتے ہیں اور یا پھر ہمارے سیکولر دانشور جو مذہبی انتہا پسندی کے بل پر دہشت گردی کی اس دہشت ناک اور غیر اخلاقی جنگ کا جواز پیش کرتے ہیں۔

ہمارے اصل مسائل سے ہماری توجہ ہٹانے کے لیے ایک طرف ہمیں توانائی کے شدید بحران کا شکار کر دیا گیا ہے، تو دوسری طرف ہمیں وقتاً فوقتاً نان ایشوز میں پھنسا دیا جاتا ہے۔ اب پولیو ٹیموں پر حملوں کے ذریعے ایک بار پھر نہ صرف معصوم لوگوں کی جانیں ضائع ہو رہی ہیں، بلکہ پاکستان کی ایک بار پھر دنیا بھر میں بدنامی ہو رہی ہے۔ اہل پاکستان کو اب اچھی طرح اندازہ ہو چکا ہے کہ ہمارے ملک میں رونما ہونے والے کسی واقعے پر جب امریکی، یورپی اور یو این رہنماؤں کے فوری مذمتی بیانات جاری ہونے لگتے ہیں، تو اس کا عالمی کھیل کی ایک چال ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

اے این پی کے سینئر رہنما بشیر احمد بلور بھی ایک ایسے ہی حملے میں جاں بحق ہو گئے۔ پاکستان کے تین صوبوں میں بدامنی اور قتل و غارت کے ذریعے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت حالات کو بگاڑا جا رہا ہے اور پنجاب کو خصوصی طور پر توانائی کے بحران کا شدید شکار کر کے معاشی طور پر کچل دینے کی کوشش ہے۔ ان حالات میں احمد فراز کی یہ نظم بار بار یاد آتی رہی۔

اب مرے دوسرے بازو پہ وہ شمشیر ہے جو
اس سے پہلے بھی مرا نصف بدن کاٹ چکی
اُسی بندوق کی نالی ہے مری سمت کہ جو
اس سے پہلے مری شہ رگ کا لہو چاٹ چکی
میری بستی سے پرے بھی مرے دشمن ہوں گے
پر یہاں کب کوئی اغیار کا لشکر اترا
آشنا ہاتھ ہی اکثر مری جانب لپکے
میرے سینے میں مرا اپنا ہی خنجر اترا

پھر وہی خوف کی دیوار تذبذب کی فضا
پھر ہوئیں عام وہی اہل ریا کی باتیں
نعرۂ حبِ وطن مالِ تجارت کی طرح
جشن ارزاں کی طرح دینِ خدا کی باتیں
مثلِ پیراہنِ گل پھر سے بدن چاک ہوئے
جیسے اپنوں کی کمانوں میں ہوں اغیار کے تیر
اس سے پہلے بھی ہوا چاند محبت کا دونیم
نوکِ دشناں سے کھنچی تھی مری مٹی کی لکیر
آج ایسا نہیں ایسا نہیں ہونے دینا
اے مرے سوختہ جانو، مرے پیارے لوگو!
اب کے گر زلزلے آئے تو قیامت ہو گی
میرے دلگیر مرے درد کے مارے لوگو!
کسی غاصب کسی ظالم کسی قاتل کے لیے
خود کو تقسیم نہ کرنا مرے سارے لوگو!

نائب امیر جماعت اسلامی اور بزرگ رہنما پروفیسر غفور احمد انتقال کر گئے۔ آپ ملکی حالات پر گہری نظر رکھنے والے ایک منجھے ہوئے سیاستدان تھے۔ ۱۹۷۱ء میں نازک ملکی صورت حال اور ۱۹۷۷ء میں پی این اے کی تحریک میں بے حد فعال کردار ادا کیا۔ ان کے سیاسی و نظریاتی مخالفین بھی ان کی با اصول شخصیت اور بے داغ کردار کے معترف رہے۔ ان کے جانے سے پاکستانی سیاست کا منظر نامہ ایک بے حد مدبر اور بلند پایہ رہنما سے محروم ہو گیا۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے آمین۔

دعا گو

صائمہ اسما

فتنے اور آزمائش!

ان حالات میں کیا کریں؟

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو ہر انسان کے لیے امتحان گاہ بنایا ہے۔ اس میں ہم سب کے لیے مختلف آزمائشیں ہیں ان میں سے کچھ تو معمولی نوعیت کی ہیں اور کچھ شدید نوعیت کی ہیں اور کچھ شدید قسم کی ہوتی ہیں جو انسانوں کو نہ صرف انفرادی طور پر بلکہ اقوام کو اجتماعی طور پر ہلا کر رکھ دیتی ہیں۔ مثلاً سیاسی ولسانی فتنے، مذہبی وفرقہ وارانہ فتنے اور ملکی و بین الاقوامی فتنے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ترجمہ: ''اور ہم اچھے اور برے حالات میں ڈال کر تم سب کو آزما رہے ہیں اور تمھیں ہماری طرف پلٹنا ہے۔'' (الانبیاء ۳۵)

یعنی ہر قسم کے حالات اللہ کی طرف سے ہیں اور ہمارے لیے آزمائش ہیں اور کیونکہ ہم نے واپس اسی کی طرف پلٹنا ہے لہٰذا ہمیں اپنے اعمال اسی کی مرضی کے مطابق کرنے ہوں گے تاکہ ہم کامیاب ہوسکیں۔

ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: ''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ''ہم ایمان لائے'' اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔'' (سورہ العنکبوت ۲ اور ۳)

ان دونوں آیات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دور کے لوگوں کو آزماتا رہا ہے یعنی وہ جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں اور وہ جو ہمارے بعد آئیں گے وہ بھی آزمائے جائیں گے۔ قرآن میں بہت سے انبیاء کرام اور ان کی اقوام کے قصے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے طرح طرح سے آزمایا اور پھر باقی صرف وہی بچے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسولوں کی اطاعت کی۔

اسلام چونکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے یہ نہ صرف ہم کو زمانۂ امن میں رہنے کے آداب سکھاتا ہے بلکہ فتنہ و فساد کے دور میں بھی ہماری بھرپور رہنمائی کرتا ہے۔ لہٰذا آج ہم سب کے لیے یہ بے حد ضروری ہے کہ فتنوں کے اس دور میں نہ صرف اپنے ایمان کو محفوظ کرنے کی کوشش کریں بلکہ اسے مضبوط بھی کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں بحیثیت

ایک فرد اور قوم پر امن زندگی گزارنے کے آداب خود بھی سیکھنے ہوں گے اور اپنی آئندہ نسلوں میں اس کو منتقل کرنے کا انتظام بھی کرنا ہوگا۔

ہادی برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آج سے کئی سو سال پہلے ہی ان فتنوں سے آگاہ کر دیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''میں آنے والے فتنوں کو تمھارے گھروں میں بارش کے قطروں کی طرح گرتا دیکھ رہا ہوں۔'' (بخاری)

ایک اور جگہ آپؐ نے فرمایا ''بعض فتنے ایسے (شدید) ہوں گے کہ ان کی طرف جھانکنے والا بھی ان میں مبتلا ہو جائے گا۔'' (بخاری)

آپؐ نے جہاں ہمیں ان فتنوں سے آگاہ کیا وہیں ان سے بچنے کا طریقہ بھی سکھا دیا۔ آپؐ کا ارشاد ہے۔ ''میں تمھارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں جسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، اللہ کی کتاب اور اس کے نبیؐ کی سنت۔'' (حاکم)

آیئے قرآن وسنت کی روشنی میں اپنے لیے وہ لائحہ عمل تشکیل دیں جو ہمیں بحیثیت فرد اور قوم اپنے ایمان کو محفوظ کرنے اور مضبوط کرنے میں مدد دے۔ اس کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ ہونے کی جو ذمہ داری ہمیں سونپی گئی ہے اسے احسن طریقے سے نبھانے میں بھی معاون ومددگار ہو۔

(۱) اخلاص نیت اور دعاؤں کی کثرت:

ہر قسم کی ریاکاری سے بچتے ہوئے ہمیں چاہیے کہ ہر کام خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کریں۔ ''دعا مومن کا ہتھیار ہے'' لہٰذا ہمیں یہ ہتھیار خوب خوب استعمال کرنا چاہیے۔ دعا کی قبولیت کے اوقات میں مانگی گئی دعا رد نہیں کی جاتی اس کے علاوہ سجدے میں کیونکہ بندہ اپنے رب کے بہت قریب ہوتا ہے لہٰذا سجدے میں خوب دعائیں مانگنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ فتنوں اور آزمائشوں سے بچنے کے لیے خوب دعائیں مانگیں مثلاً **اعوذ باللّٰہ من سوء الفتن**۔ ترجمہ: ''اے اللہ میں برے فتنوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

(۲) صبر وتحمل:

صبر کرنا ہر قسم کے حالات میں بہت ضروری ہے۔ صبر کے لغوی معنی ہیں ''روکے رکھنا''۔ زندگی میں پیش آنے والی مصیبتوں، پریشانیوں اور محرومیوں کو اللہ تعالیٰ کی خاطر برداشت کرنا اور ان پر اپنے نفس کو کوشش کے ساتھ مضطرب و بے قرار ہونے سے روکے رکھنا، دراصل صبر ہے۔ صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور خود تلقین کرتا ہے کہ **واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللّٰہ مع الصبرین**۔ ترجمہ: ''صبر اور نماز کے ذریعے مدد حاصل کرو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (البقرہ ۱۵۳)

(۳) کثرت نوافل:

مشکل حالات میں فرض نمازوں کا اہتمام کرنے کے ساتھ ساتھ نوافل کا اہتمام بھی کریں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود تلقین کی ہے قرآن میں کہ صبر اور نماز سے مدد لو۔ نفل نمازوں میں سب سے زیادہ فضیلت تہجد کی نماز کی ہے اور یہ وہ وقت ہوتا ہے جب دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ لہٰذا تہجد ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ غیر معمولی حالات میں عبادت کی کثرت ضروری ہے۔

(۴) صدقہ وخیرات:

اپنا مال، وقت، چیزیں اور صلاحیتیں دوسروں کے ساتھ شیئر کریں۔ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصے کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ روزانہ کچھ نہ کچھ صدقہ کرنے سے نہ صرف یہ کہ انسان کے دل سے دولت و دنیا کی محبت کم ہوتی ہے بلکہ آپس میں خیر خواہی، محبت، ایثار و قربانی اور اخوت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ''تمھارا اپنے بھائی کے لیے مسکرا دینا بھی صدقہ ہے۔'' (ترمذی) مسکرانے سے نہ تو کچھ خرچ ہوتا ہے اور نہ ہی تکلیف لیکن غم ضرور کم ہو جاتا ہے۔

(۵) نیکی کے کاموں میں جلدی کریں:

جہاں کوئی نیکی کا موقع ملے اسے کر گزریں چھوٹی چھوٹی نیکیاں بھی بڑھ کر ایک ڈھیر کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ نیکی کے مواقع کی تلاش میں رہیں اور دوسروں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے والے بنیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ درگزر کا معاملہ کریں، اگر گھر میں یا پڑوس میں کسی کو کوئی تکلیف ہے تو اسے دور کرنے کی کوشش کرنا اور کثرت سے ایک دوسرے کو سلام کرنا آپس میں محبت و خیر خواہی بڑھانے کا ذریعہ بنتا ہے۔

(۶) تعصب سے بچیں:

تعصب، بغض اور عناد کو دل سے نکال دیں کیونکہ جب تک ہمارے دلوں میں ایسے منفی خیالات بھرے رہیں گے ہم دوسروں کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ نہیں کر سکتے۔ تعصب دراصل یہ ہے کہ کسی سے اختلاف ہونے کی صورت میں ہم اس کی اچھی بات بھی نہ لیں اور رشتہ دار یا پسندیدہ شخصیت ہونے کی بنا پر اس کی غلط بات بھی مان لیں۔ تعصب دراصل حق کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔

(۷) فتنوں کے مواقع سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کریں:

خود کو تعمیری کاموں میں مصروف رکھیں۔ سنی سنائی باتوں سے بچیں اور مقصد پر نظر رکھیں۔ آپؐ نے فتنوں کی شدت کے بارے میں بڑی وضاحت سے امت کو خبردار کیا ہے اور ان سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ فرمایا ''اے لوگو! جلدی کرو اعمالِ خیر کرنے میں، ان فتنوں سے پہلے جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ہر طرف چھائے ہوئے ہوں گے۔'' ایک

اور جگہ فرمایا ''بعض فتنے ایسے (شدید) ہوں گے کہ ان کی طرف جھانکنے والا بھی ان میں مبتلا ہو جائے گا۔'' (بخاری)

(۸) احترامِ انسانیت:

ایک دوسرے کا احترام کریں، دوسروں کی عزت و آبرو کا پاس رکھیں، اپنے فرائض کی ادائیگی اور دوسروں کے حقوق کی پاسداری کرنا ضروری ہے کیونکہ آخرت میں حقوق العباد کا حساب زیادہ سخت ہوگا۔ دوسروں کے ساتھ عمومی طور پر خیر خواہی کا رویہ رکھیں۔ اپنے بچوں کو دین کے صحیح علم سے روشناس کرائیں اور دین کی اصلی تعلیمات عام لوگوں تک پہنچائیں۔ کوشش کریں کہ اپنے تمام معاملات و عبادات میں قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل کریں۔ اسلامی اخلاق کو اپنے کردار کا حصہ بنائیں۔

(۹) علم دین:

خود دین کا صحیح فہم حاصل کرنے کی سعی کریں اور دوسروں تک اسلام کی درست تعلیمات پہنچائیں تاکہ اسلام کو سمجھنے اور اس پر درست طریقے سے عمل پیرا ہوا جا سکے۔ اگر ہم خود ہی اسلام کی صحیح روح سے واقف نہ ہوں گے تو دوسروں کی کس طرح درست سمت میں رہنمائی کر سکیں گے۔

(۱۰) اختلاف رائے کی صورت میں:

اگر کسی سے اختلافِ رائے ہو تو بھی بداخلاقی کا مظاہرہ نہ کریں۔ تعصب سے بچنے کی کوشش کریں اور دوسروں کی خیر کواہی کریں۔ اپنی ناراضگی کا اظہار براہِ راست متعلقہ شخص سے کرنے کی ضرورت ہے تاکہ عام لوگوں میں بے چینی و انتشار پھیلانے سے رک سکیں۔ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان سے معاملہ قرآنی تعلیمات کے مطابق کریں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (الحجرات ۹)

اگر کسی گروہ کے حق پر ہونے کے بارے میں فیصلہ نہ کر سکیں تو الگ رہیں۔ یعنی کوشش کرنا ہے کہ ہر حال میں حق کا ساتھ دیں۔

ان تمام کوششوں کے باوجود ہم خود کو آزمائشوں اور فتنوں سے تو نہیں بچا سکتے لیکن اپنے ایمان کو بچانے کی ضرور کوشش کر سکتے ہیں۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنت پر عمل کرنے والا بنائے اور ہمیں برے فتنوں سے بچائے (آمین)

نوٹ: اس مضمون کی تیاری میں کتاب ''فتنوں کے دور میں کیا کرنا چاہیے'' (ڈاکٹر فرحت ہاشمی) سے مدد لی گئی ہے۔

دعا

قبولیت دعا کے اوقات اور مواقع

حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بندہ فرض نماز پڑھے، (اور اس کے بعد دل سے دعا کرے) تو اس کی دعا قبول ہو گی۔ اس طرح جو آدمی قرآن مجید ختم کرے (اور دعا کرے) تو اس کی دعا بھی قبول ہو گی۔ (معجم کبیر للطبرانی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی، قبول ہی ہوتی ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار موقعے ہیں جن میں دعا خصوصیت سے قبول ہوتی ہے۔ راہ خدا میں جنگ کے وقت، اور جس وقت آسمان سے بارش ہو رہی ہو، نماز کے وقت اور جب کعبۃ اللہ نظر کے سامنے ہو۔ (معجم کبیر للطبرانی)

حضرت ربیعہ بن وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مواقع ایسے ہیں کہ ان میں دعا کی جائے تو رد نہیں ہوتی۔ ایک یہ کہ کوئی آدمی ایسے جنگل بیابان میں ہو جہاں خدا کے علاوہ کوئی اسے دیکھنے والا نہ ہو، وہاں وہ خدا کے حضور کھڑا ہو کر نماز پڑھے (اور دعا کرے)..... دوسرے یہ کہ کوئی شخص میدان جہاد میں (دشمن کی فوج کے سامنے) ہو، اور اس کے ساتھی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں مگر وہ (دشمنوں کے نرغے میں) ثابت قدم رہا ہو، (اور اس حال میں وہ دعا کرے)۔ تیسرے وہ آدمی جو رات کے آخری حصے میں (بستر چھوڑ کر) اللہ کے حضور میں کھڑا ہو۔ (اور پھر دعا کرے)۔ (مسند ابن مندہ)

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ہے کہ: رات میں ایک خاص وقت ہے، جو مومن بندہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ سے دنیا یا آخرت کی کوئی چیز یا بھلائی مانگے گا تو اللہ اس کو ضرور عطا فرما دے گا۔ اس میں کسی رات کی خصوصیت نہیں بلکہ اللہ کا یہ کرم ہر رات میں ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رات کی پہلی تہائی گزر جاتی ہے، اور ایک روایت کے مطابق جب رات کی آخری تہائی باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان اول پر جلوہ فرما ہوتے ہیں اور

فرماتے ہیں کہ بادشاہ میں ہوں، کوئی ہے جو مجھ سے دعا مانگے، اور میں اسی کی دعا قبول کروں۔ کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کا سوال پورا کروں، کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کو بخش دوں ..... یہ بات اللہ تعالیٰ مسلسل ارشاد فرماتے رہتے ہیں یہاں تک کہ صبح صادق روشن ہو جاتی ہے۔ (صحیح مسلم)

✎ حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کون سے وقت دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ رات کے آخری حصے میں اور فرض نماز کے بعد دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ (ترمذی)

✎ قرآن کریم میں کئی مقامات پر رات کی آخری گھڑیوں میں مومنین کو نماز اور استغفار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ چند آیتوں کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

جنت کے حقدار مومنین کے بارے میں فرمایا:

''یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں، راستباز ہیں، فرمانبردار اور فیاض ہیں اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی دعائیں مانگا کرتے ہیں۔'' (آل عمران ۱۷)

''پھر یہ لوگ رات کے پچھلے پہروں میں اللہ سے مغفرت طلب کرتے تھے۔'' (الذاریات۔۱۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''پس اے نبیؐ! جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان پر صبر کرو اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے۔'' (ق-۴۰)

''اے نبیؐ! اپنے رب کا فیصلہ آنے تک صبر کرو، تم ہماری نگاہ میں ہو۔ تم جب اٹھو تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، رات کو بھی اس کی تسبیح کیا کرو، اور ستارے جب پلٹتے ہیں اس وقت بھی۔'' (الطّور-۴۹)

''اے نبیؐ! اپنے رب کا نام صبح شام یاد کرو، رات کو بھی اس کے حضور سجدہ ریز ہو، اور رات کے طویل اوقات میں اس کی تسبیح کرتے رہو۔'' (الدھر-۲۶)

✎ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں جن کی دعا رد نہیں ہوتی، ایک روزہ دار کی دعا جو وہ افطار کے وقت کرے، دوسرے امام عادل کی دعا، اور تیسرے مظلوم کی دعا۔ اللہ تعالیٰ اس دعا کو بادلوں کے اوپر اٹھا لیتا ہے، اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیتا ہے اور پروردگار فرماتا ہے مجھے اپنی عزت کی قسم، میں ضرور تیری مدد کروں گا، چاہے وہ کچھ دیر بعد ہی ہو۔ (ترمذی)

✎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب نماز پڑھتے وقت سجدے کی حالت میں ہوتا ہے، چنانچہ سجدے میں زیادہ

دعا مانگو۔(صحیح مسلم)

✎ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ اگر کوئی مسلمان بندہ اس گھڑی میں اللہ تعالیٰ سے خیر و بھلائی کی کوئی چیز مانگے تو اللہ اس کو عطا کر دیتا ہے۔(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور حضرت کعب احبارؒ سے جو تورات کے بڑے عالم تھے، نقل کیا ہے کہ جمعہ کے دن کی اس ساعت اجابت کا ذکر تورات میں بھی ہے۔

شارحین حدیث کا خیال ہے کہ قبولیت دعا کی یہ ساعت امام کے خطبہ کے لیے منبر پر آنے سے لے کر نماز کے اختتام اور عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک ہے۔

✎ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لیلۃ القدر خیر من الف شھر۔

''لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔'' (سورۃ القدر۳)

یعنی اس رات میں غروب آفتاب سے لے کر طلوع فجر تک دعائیں خصوصیت کے ساتھ قبول کی جاتی ہیں اور عبادات کا اجر ہزاروں گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔

✎ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ اگر میں لیلۃ القدر کو پالوں تو کیا دعا کروں۔ آپؐ نے فرمایا کہو:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔

''اے اللہ! بے شک تو بہت معاف فرمانے والا ہے، معاف کرنے کو پسند کرتا ہے، سو میرے گناہ بھی معاف کر دے۔'' (ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد)

✎ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب شب قدر ہوتی ہے تو جبریل علیہ السلام فرشتوں کے جھرمٹ میں نازل ہوتے ہیں اور ہر اس بندے کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا اللہ کے ذکر و عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی)

✎ رمضان کا آخری عشرہ۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ (آخری دس دنوں) میں عبادت وغیرہ میں وہ مجاہدہ کرتے اور مشقت اٹھاتے جو دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے۔(صحیح مسلم)

✎ رمضان کی آخری رات۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ رمضان کی آخری رات میں آپؐ کی امت کی بخشش اور مغفرت کا فیصلہ کیا جاتا ہے، آپؐ سے دریافت کیا گیا،

کیا وہ شب قدر ہوتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا، شب قدر تو نہیں ہوتی لیکن بات یہ ہے کہ عمل کرنے والا جب اپنا عمل پورا کر دے تو اس کو پوری اجرت مل جاتی ہے۔ (مسند احمد)

اوپر بیان کی گئی تین حدیثوں سے رمضان المبارک کے آخری عشرہ، آخری رات اور شب قدر کی فضیلت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ان اوقات میں اللہ کی رحمت اپنے عبادت گزار بندوں کی طرف خاص طور سے مائل ہوتی ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کا بھی حکم دیا گیا ہے، اس میں بھی یہی مصلحت ہے۔

✎ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ حج اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں۔ اگر دعا مانگتے ہیں اللہ اسے قبول کرتا ہے۔ مغفرت چاہتے ہیں تو بخش دیتا ہے۔ (ابن ماجہ)

✎ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو جب کسی حاجی سے ملے تو اس کو سلام کر اور اس سے مصافحہ کر اور اس سے درخواست کر کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے تیرے لیے مغفرت کی دعا مانگے کیونکہ وہ بخشش کیا گیا ہے۔ (مسند احمد)

دعا قبول ہونے کا مطلب اور اس کی صورتیں

بہت سے لوگ نا واقفیت سے قبولیت دعا کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ بندہ اللہ سے جو کچھ مانگے وہ اس کو مل جائے، اور اگر وہ نہیں ملتا تو سمجھتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوئی ..... یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے ..... بندے کا علم بے حد ناقص ہے، بلکہ اپنی خلقت کے لحاظ سے وہ ظلوم و جہول ہے۔ بہت سے بندے ہیں جن کے لیے دولتمندی نعمت ہے، اور بہت سے ہیں جن کے لیے دولت فتنہ ہے۔ بہت سے بندے ہیں جن کے لیے حکومت اور اقتدار قربِ خداوندی کا وسیلہ ہے۔ اور حجاج اور ابن زیاد کی طرح بہت سے ہیں جن کے لیے حکومتی اقتدار خدا سے دوری اور اس کے غضب کا سبب بن جاتا ہے..... بندہ نہیں جانتا کہ کیا چیز میرے لیے بہتر ہے اور کیا میرے لیے فتنہ اور زہر ہے، اس لیے بسا اوقات وہ ایسی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے جو اس کے لیے بہتر نہیں ہوتی، یا اس کا عطا کرنا حکمت الٰہی کے خلاف ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ جو حکیم و دانا ہے، یہ بات اس کے علم و حکمت کے خلاف ہے کہ ہر بندہ جو مانگے وہ اس کو ضرور اسی شکل میں عطا فرما دے ..... دوسری طرف اس کی کریمی کا یہ تقاضا ہے کہ جب اُس کا بندہ ایک محتاج اور مسکین کی طرح اس کے حضور میں ہاتھ پھیلائے اور دعا کرے تو وہ اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ دعا کرنے والے بندے کو محروم نہیں لوٹاتا، کبھی تو اس کو وہی عطا فرما دیتا ہے جو دعا میں اُس نے مانگا اور کبھی اس

کی دعا کے عوض آخرت کی بیش بہا نعمتوں کا فیصلہ فرما دیتا ہے، اور اس طرح اس کی یہ دعا اس کے لیے ذخیرۂ آخرت بن جاتی ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اسباب ومسببات کا جو سلسلہ ہے اس کے حساب سے اس دعا کرنے والے بندے پر کوئی آفت اور مصیبت نازل ہونے والی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اس دعا کے نتیجے میں اس آنے والی بلا اور مصیبت کو روک دیتا ہے ..... بہرحال دعا کے قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دعا رائیگاں نہیں جاتی اور دعا کرنے والا محروم نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم وحکمت کے مطابق مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی نہ کسی طرح اس کو ضرور نوازتا ہے..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مومن بندہ کوئی دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو اور نہ قطع رحمی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور عطا ہوتی ہے۔ یا تو جو اس نے مانگا ہے وہی اس کو ہاتھ کے ہاتھ عطا فرما دیا جاتا ہے، یا اس کی دعا کو آخرت میں اس کا ذخیرہ بنا دیا جاتا ہے، یا آنے والی کوئی مصیبت اور تکلیف اس دعا کے حساب میں روک دی جاتی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: جب بات یہ ہے (کہ ہر دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور اس کے حساب میں کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے) تو ہم بہت زیادہ دعائیں کریں گے..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے پاس دینے کے لیے اس سے بھی زیادہ ہے۔ (رواہ احمد)

مطلب یہ ہے کہ اللہ کا خزانہ لا انتہا اور غیر فانی ہے۔ اگر سارے بندے ہر وقت اس سے مانگیں اور وہ ہر ایک کے لیے عطا فرمانے کا فیصلہ کرے تو اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی..... مستدرک حاکم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ جب اُس بندے کو جس نے دنیا میں بہت سی ایسی دعائیں کی ہوں گی جو بظاہر دنیا میں قبول نہیں ہوئی ہوں گی اُن دعاؤں کے حساب میں جمع شدہ ذخیرہ آخرت میں عطا فرمائیں گے تو بندے کی زبان سے نکلے گا:

یَا لَیْتَهٗ لَمْ یُعَجَّلْ لَهٗ شَیْئٌ مِنْ دُعَائِهٖ۔ (کنز العمال، ص ۵۷، جلد ۲)

''اے کاش! میری کوئی بھی دعا دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی، اور ہر دعا کا پھل مجھے یہیں ملتا۔''

حوالہ جات:

تفہیم القرآن، مشکوٰۃ شریف، معارف الحدیث، صیام رمضان وحج بیت اللہ، حب الٰہی (بنت الاسلام)، زندگی کی ترجیحات (پروفیسر خورشید احمد)۔ قرآنی اور مسنون دعائیں، (سید شبیر احمد)۔

☆☆☆

امریکی دہشت گردی میں میڈیا کا استعمال

طاقت کی زبان، ظلم و جبر اور نا انصافی کو جنم دیتی ہے۔ امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر دنیا کے طول وعرض میں دہشت گردی کا بازار گرم کر رکھا ہے اور ایک مہم کی ناکامی پر پردہ ڈالنے اور توجہ ہٹانے کے لیے نئے اہداف کو نشانہ بنانے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ امریکہ اپنے خونین تماشے کا جواز پیدا کرنے کے لیے جتنے بھی خوشنما الفاظ استعمال کر لے آج ساری دنیا اس نکتے پر متفق ہے کہ امریکی سامراج دہشت گردی کا خاتمہ کرنے کے نام پر دراصل اپنی جبروت وسطوت کا علَم پوری دنیا پر دراز کرنے کے درپے ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبے میں اس کی حیرت انگیز کامیابیوں نے اسے دولت اور طاقت کا ایسا نشہ اور خمار چڑھایا جس نے توسیع پسندی کی ہوس کو پروان چڑھایا اور وہ فاتح عالم بننے کے خواب بننے لگا۔

امریکی انتظامیہ کھل کر یہ اعلان کر چکی ہے کہ دنیا کے جس خطے میں اس کے مفادات کو خطرہ لاحق ہوگا وہ اس پر فوج کشی کرنے کا حق رکھتی ہے۔ سی آئی اے کے ذریعے منتخب حکومتوں کا تختہ الٹ کر اپنے ایجنٹوں کو برسر اقتدار لانا اس کا محبوب مشغلہ ہے جس کے باعث پوری دنیا اس کی دھمکیوں کے سامنے لرزہ براندام نظر آتی ہے۔

امریکہ کا اعلان آزادی امریکہ کے تیسرے صدر تھامس جیفرسن نے لکھا تھا وہ بلاشبہ ایک ایسی دستاویز ہے جو انسانی حقوق کی سربلندی اور جبر کی تمام شکلوں کے خلاف جدوجہد کے لیے نشانِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ انسان کے صدیوں پرانے خوش کن خواب کی تکمیل کی خبر سناتی ہے کہ انسان اور قوموں کے درمیان اونچ نیچ کی ان تمام رکاوٹوں کو ہٹا دینا چاہیے جو طاقت، ظلم اور نا انصافی اور دولت کے زور پر کھڑی ہیں۔ اس لیے امریکہ کے اعلانِ آزادی کے ابتدائیہ میں واضح کیا گیا ہے کہ ریاست کی بنیاد صرف اور صرف انسانی حقوق کے تصور پر قائم ہونی چاہیے۔ برطانوی استعمار سے آزادی حاصل کرنے کے بعد خاص طور پر پہلی جنگ عظیم کے بعد امریکہ نے اپنی جارحانہ اور توسیع پسندانہ عزائم کے ذریعے سامراج کا روپ دھار لیا۔ اس بارے میں حقائق بے نقاب ہو چکے ہیں۔

دوسرے ممالک کو دھمکانا، ان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنا اور وہاں اپنی مرضی کی حکومتیں قائم کرنا وہ اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے حتیٰ کہ اقوامِ

متحدہ کے فیصلوں اور پابندیوں کو درخور اعتناء نہیں گردانتا۔ نکاراگوا میں فوجی جارحیت اور قتل عام کرنے پر عالمی عدالت اسے مجرم قرار دے چکی ہے لیکن اس کے ہاتھ اتنے لمبے ہیں کہ کوئی ملک اسے سزا قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ خود خطرناک ہتھیاروں کا انبار لگا رکھا ہے اور دوسرے کسی ملک کے پاس ہتھیار اس کو امن کے لیے خطرہ دکھائی دیتے ہیں۔

آج امریکی حکمرانوں کے لب و لہجے میں خدائی کا دعویٰ صاف جھلکتا ہے۔ اس وقت پانچ لاکھ امریکی فوجی، جاسوس، اساتذہ اور سول کنٹریکٹر کرہ ارض میں مختلف علاقوں میں تعینات ہیں جو امریکہ کے مذموم سامراجی مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہیں۔

تھامسن جیفرسن نے جب امریکہ کا اعلان آزادی لکھا تھا اس وقت اس کے وہم و گمان میں نہ ہو گا کہ برطانوی استعمار سے نجات حاصل کرنے کے بعد امریکہ خود سامراج میں تبدیل ہو جائے گا۔ بدقسمتی سے اس کی زندگی میں امریکہ کے سامراجی عزائم پر عمل کا آغاز ہو چکا تھا۔

پاکستان اور امریکی دہشت گردی

دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ کے صف اول کے اتحادی ہونے کے ثمرات حکمرنوں نے دونوں ہاتھوں سے سمیٹے ہیں۔ اس کے برعکس پاکستانی عوام کی نہ جان محفوظ ہے اور نہ مال۔ پتھروں کے دور میں لے جانے کی دھمکیوں سے مرعوب ہو کر خود کو نا اہل حکمرانوں نے پتھروں سے بھی بدتر دور میں دھکیل دیا ہے۔ ملک کا کونا کونا امریکی دہشت گردی سے زخمی ہے۔ رستے ہوئے زخم پر مرہم نہ رکھا گیا تو یہ ناسور بن جائے گا مگر بدقسمتی سے اس کا ادراک موجودہ حکمرانوں کو نہیں ہے۔ حکمران امریکہ کے آلہ کار کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے غیرت اور خودداری کو امریکہ کے ہاتھوں گروی رکھ دیا گیا ہے۔ ملک میں قانون نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ بلیک واٹرز اور سی آئی اے کے ایجنٹ ملک میں کھلے عام دندناتے پھر رہے ہیں۔

لاہور کے ۲۷ جنوری ۲۰۱۱ء کے واقعہ میں سی آئی اے کے ایجنٹ ریمنڈ ڈیوس کے ہاتھوں معصوم شہریوں کی ہلاکت اس کا عملی ثبوت ہے۔ قوم کی بے گناہ بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی جو اس وقت امریکہ کی قید میں ہے، ملی غیرت سے عاری بردہ فروش حکمرانوں کی ہوس کی بھینٹ چڑھ گئی ہے۔ ملک کی سرحدیں پامال ہو رہی ہیں۔ آئے دن ڈرون حملے بے گناہ شہریوں کو آگ و خون میں نہلا رہے ہیں۔ مغربی میڈیا ببانگ دہل کہہ رہا ہے کہ ڈرون حملے پاکستانی حکمرانوں کی رضامندی سے ہو رہے ہیں۔ ذیل میں امریکہ کی پاکستان میں دہشت گردی کے اعداد و شمار پیش کیے جا رہے ہیں:

۱۸ جون ۲۰۰۴ء وانا، جنوبی وزیرستان میں پاک فوج اور قبائلی جنگ جوؤں کے درمیان امن معاہدے کے اہم محرک کمانڈر نیک محمد نامعلوم سمت سے آنے

والے میزائل سے ہلاک ہوگئے، بعدازاں پتا چلا کہ امریکی خفیہ ادارے سی آئی اے کی کارستانی ہے، جس کے بغیر پائلٹ کے جاسوس طیارے سے کمانڈر نیک محمد کو نشانہ بنا کر امن معاہدے کو سبوتاژ کر دیا۔ ۳۰ اکتوبر ۲۰۰۶ء ڈماڈولہ، باجوڑ میں ایک مدرسے میں فجر کی نماز سے قبل ڈرون حملے میں ۸۳ طالب علم چشم زدن میں آسودۂ خاک ہو گئے، گومگو کی کیفیت میں پاکستانی سیکورٹی فورسز نے شاہ سے بڑھ کر شاہ کے وفادار کا کردار ادا کرتے ہوئے، میزائل حملے کی ذمے داری قبول کر لی اور الزام عائد کیا کہ مدرسے میں دہشت گردی کی تربیت دی جارہی تھی، مگر چند ہی دن بعد سی آئی اے نے اعتراف کر لیا کہ مدرسے کو امریکی جاسوس طیاروں نے نشانہ بنایا ہے۔ امریکیوں کے بقول مدرسے میں ایمن الظواہری کی موجودگی کی اطلاعات تھیں۔ وقت گزرتا گیا، فوجی بوٹوں کی جگہ جمہوریت نے لے لی، امریکا میں ''تبدیلی'' آ گئی، مگر ڈرون حملے بڑھتے گئے اور اب امریکی انتظامیہ اسے سب سے آزمودہ حل قرار دے کر کارروائیاں مزید بڑھا رہی ہے۔

انسانی ہلاکتیں بطور تفریح

حال ہی میں ایسی تصاویر منظر عام پر آئی ہیں جن میں امریکی فوجیوں کو عرب خواتین کا مثلہ کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ امریکہ میں بھی کئی لوگ اپنے گھروں میں بیٹھ کر کمپیوٹرز پر اس طرح کے واقعات سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

یہ وہ باتیں ہیں جو آج کل امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک کے گھرانوں میں عام ہو چکی ہیں کیونکہ مغرب میں جنگ برائے تفریح کا تصور غیر محسوس طور پر پروان چڑھ رہا ہے۔ جنگیں اب تباہی کے لیے نہیں ہوا کریں گی بلکہ اس کے ذریعے دنیا کو تفریح کا سامان فراہم کیا جائے گا یعنی جنگ برائے تفریح اور اس کے لیے ملٹی نیشنل کمپنیاں سرمایہ کاری کر رہی ہیں۔ افغانستان اور عراق میں امریکہ، برطانیہ اور دیگر اتحادی ممالک نے جو تباہی مچائی ہے اس سے دنیا کے امن پسند عوام تو بہت اچھی طرح واقف ہیں لیکن مغرب کے عیار، چالاک اور دنیا پرست ذہن ان جنگوں کے اس پہلو کو اجاگر کر رہے ہیں جس سے ان کو کمائی کے ساتھ ساتھ ان ملکوں کے عوام کو تفریح کا سامان بھی مہیا ہو سکے۔ یورپ اور امریکہ سمیت دنیا بھر کے نیٹ کیفیز Net Cafes میں نوجوانوں کی اکثریت جاتی ہے جہاں پر کل تک وہ زیادہ تر اخلاق باختہ ویڈیوز اور تصاویر دیکھتے تھے لیکن اب ان کی دلچسپی کا سامان دیگر ویڈیوز اور تصاویر کے ذریعے بھی پورا کیا جاتا ہے۔ نیٹ کی دنیا میں ایسی بے شمار سائٹس موجود ہیں جہاں پر لذت مرگ یعنی دوسروں کو مرتے دیکھنے کی لذت یا دوسروں کو تکلیف میں تڑپتا دیکھنے کے مناظر موجود ہیں۔ اس طرح پتھر دل اور بے ضمیر افراد کو جو لطف حاصل ہوتا ہے، وہ انسانیت کے اجتماعی ضمیر پر ایک

بوجھ ہے۔ کئی سائٹس پر ایسے تباہ کن مناظر ہیں جنھیں دیکھ کر انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے لیکن مغرب کا ایک خاص ٹولہ جس میں مغربی افواج کے شعبہ تعلقات عامہ بھی شامل ہیں، اسے پیش کر کے فخر محسوس کرتے ہیں ان سائٹس پر مغرب کے جدید ترین ہتھیار کے ذریعے ہونے والی انسانی تباہی (جس کا شکار مسلمان ہیں) کی ایک سے زیادہ فلمیں اور تصاویر موجود ہیں اور آپ کا دل جس قسم کی درندگی کو دیکھنے کو چاہتا ہے وہ سہولت آپ کو مل سکتی ہے اور آہستہ آہستہ ان تصاویر کو ٹی وی چینلز اور بعد میں اخبارات و میگزین والے استعمال کرتے ہیں یوں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد تک ابلاغ ہو جاتا ہے۔

مغرب جو انسانی حقوق کا علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتا ہے جو اپنے آپ کو تہذیب یافتہ اور دوسروں کو گنوار تصور کرتا ہے وہاں اس قسم کی حرکتوں سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ درندگی کے وہ مناظر جو قدیم سلطنت روم میں بھوکے شیر کے سامنے کسی غلام، قیدی، غریب مجبور یا مظلوم کو نہتا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس موقع پر شاہ روم، اس کے حواری اور عوام کی کثیر تعداد جمع ہوتی تھی اور وہ شیر کو دیکھ کر خوشی سے چیختے اور جب بھوکا شیر اس انسان کے جسم کا کوئی حصہ دبوچ لیتا تو فضا نعروں سے گونج اٹھتی اور جب حضرت انسان کا گوشت مع ہڈیوں کے شیر چباتا تو اردگرد موجود لوگ لطف اندوز ہوتے۔ آج یہی کام انٹرنیٹ کے سامنے بیٹھے ہوئے لذت پسند انسان کر رہے ہیں بس فرق اتنا ہے کہ وہ اجتماع کی صورت میں اسٹیڈیم میں بیٹھ کر کسی کو مرتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوتے تھے لیکن اکیسویں صدی کا مہذب انسان گھر میں گھومنے والی کرسی پر بیٹھ کر مانیٹر پر یہ مناظر دیکھتا ہے۔ کل انسان کو اگر وحشی اور بھوکا شیر مارتا تھا تو آج انسان کو مارنے کے لیے امریکی اور اتحادیوں کا گولہ بارود موجود ہے۔ انسانیت کل بھی ان واقعات پر شرمندہ تھی اور آج بھی شرمندہ ہے۔ کل بھی شاہِ روم کے خلاف آواز بلند کرنے والا کوئی نہ تھا اور آج بھی شاہ واشنگٹن کے خلاف آواز بلند کرنے والا کوئی نہیں۔

اتحادی فوجیوں کے نزدیک وار ٹیکنالوجی کا استعمال کوئی جرم نہیں اور اس کے تحت اگر وار فوٹیج اور وار پکچرز بنا کر دنیا کے سامنے پیش کی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ جنگی پالیسی کا حصہ ہے لیکن ناقدین کا خیال ہے کہ اتحادی فوجیوں نے ماضی کی بہ نسبت دہشت گردی اور بڑے پیمانے پر ہتھیار پھیلانے کی آڑ میں جو جنگ شروع کر رکھی ہے وہ جینوا کنونشن اور عالمی جنگی قوانین کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ دوسری جانب یہ قابض افواج اپنے عوام کو مطمئن کرنے کے لیے دشمن ملکوں اور اس کے شہریوں کو جس طرح سے نشانہ بنا کر ان کی تصاویر اور فلمیں نشر کر رہے ہیں اس سے انھیں ہمدردی کے ووٹ شاید ہی ملیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ان میڈیا وار پروپیگنڈہ کے دوران

اتحادی فوجیوں کی ہلاکتوں کو پیش نہیں کیا جاتا؟ آج عراقی اور افغانی ہی کیوں مرتے ہوئے دکھایا جاتا ہے؟ کیا گزشتہ چند سال سے عراق اور افغانستان سے اتحادی فوجیوں کے تابوت جانے کی شرح میں کمی آئی ہے؟ بالکل نہیں دراصل اس طرح کے یکطرفہ پروپیگنڈے سے اتحادی فوجی ہیڈکوارٹرز مطمئن ہیں کہ عوام میں ان کا امیج خراب نہیں ہوگا کہ وہ دشمن کو مار رہے ہیں اور وہ ہیرو بن رہے ہیں۔

ابوغریب جیل، گوانتاناموبے اور بگرام جیل سے شروع ہونے والا سلسلہ اب ویب سائٹس تک پہنچ چکا ہے اور ہزاروں ایسی خونی ویب سائٹس پر لاکھوں کی تعداد میں عراق اور افغان سرزمین پر ہونے والے اتحادی ممالک کے مظالم کی فلمیں اور تصویریں موجود ہیں جس میں اتحادی فوجیوں کے تباہ کن جہازوں کے ذریعے کبھی میزائل یا مدر آف بم، کہیں ڈیزی کٹر یا راکٹ، کبھی بم اور کبھی گولے کے ذریعے عراقیوں اور افغانیوں کے جسموں کے چیتھڑے اڑاتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور ان فلموں میں ''خوبصورت'' بیگ گراؤنڈ ساؤنڈ سسٹم ہوتا ہے۔ ہوائی جہازوں، ٹینکوں وغیرہ کی آوازیں ہوتی ہیں اور ان آوازوں میں انسانیت کی آواز دب جاتی ہے۔ سرکٹی نعشیں بھی ہوتی ہیں۔ دھڑ سر اور انسانی اعضاء سے رستے ہوئے خون کی تصاویر بھی ہوتی ہیں اور انسانیت سے عاری لوگ آزادی اظہار کے نام پر ان موویز اور پکچرز کو اپنے موبائل فون اور ایم پی تھری، ایم پی فور وغیرہ پر منتقل کر کے اپنے دوستوں کو دکھاتے ہیں اور محظوظ ہوتے ہیں کہ ان کے لیے انسانوں کی ہلاکت کو دیکھنا بھی خوشی کا اصل مفہوم ہے۔

ماہرین کے مطابق میڈیا کی اس بھیانک قسم سے بچوں اور نوجوانوں کی نفسیات پر برا اثر پڑ رہا ہے۔ ان میں تشدد پسندی کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ ان کے لیے ایک انسان کو مارنا اور ایک چیونٹی کو مارنا برابر ہے۔ ان کے دلوں سے زندگی اور انسانیت کی قدر ختم ہو رہی ہے اور یہ رجحان مغربی معاشروں کے لیے خطرناک ثابت ہو رہا ہے کہ جہاں پہلے ہی خاصی آسودگی ہے۔ تعیش کی زندگی ایک حد تک آپ کو سکون فراہم کر سکتی ہے لیکن جب تعیش آپ کو خطرناک رخ کی جانب لے جا رہا ہو، تصویر کا غلط رخ دکھا رہا ہو تو پھر نونہال اور نوجوانوں کے مستقبل کی بنی ہوئی تصویر بھی غلط ہی ہوگی۔ جھوٹ اور دروغ گوئی پر بننے والے معاشرے تاریخ میں کبھی زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رہتے۔ اچاریہ کوتلیہ، چانکیا، میکاولی، بیٹنو، مسولینی یا پھر ایڈولف ہٹلر اور اس کے وزیر گوئبل کے فلسفہ سیاست و جھوٹ کے ذریعے ہم پائیدار معاشرے کی تخلیق نہیں کر سکتے۔ وارفوٹیج اور وار پکچرز (کہ جس میں اتحادی فوج ذاتی حیثیت سے مکسنگ کر کے اپنے آپ کو ہیرو بنا کر بھی پیش کرتی ہیں) بنانے والے ممالک لذت مرگ کی آبیاری تو کر رہے ہیں لیکن یہ طے ہے کہ وہ اس سے انسانیت کے لیے کوئی خدمت انجام نہیں دے رہے بلکہ اپنے ان

بے ڈھنگے خیالات سے انسانیت کو نقصان ہی پہنچا رہے ہیں۔ دنیا بھر میں ان ویب سائٹس پر جس طرح کے دل سوز واقعات دکھائے گئے ہیں ان سے ایک جانب تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان ویب مالکان کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ ایک قیمتی انسانی جان کی بے حرمتی ہو یا ان پامالیوں کے باعث کسی کی دل آزاری، بلکہ ایسے لوگوں کا مقصد صرف اور صرف نوٹوں سے اپنی تجوریوں کو بھرنا ہے حالانکہ مغربی معاشرے میں ہی کتنے ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو انسانیت کی فلاح کے لیے کام کر رہے ہیں اور بیشتر غریب ملکوں کو مختلف مسائل کم کرنے کے لیے بھاری امدادی رقوم دیتے ہیں۔ مختلف عالمی این جی اوز ایک طرف تو غربت، جہالت اور بیروزگاری کم کرنے کے لیے کام کر رہی ہیں دوسری جانب پر تشدد واقعات دکھا کر مال بنانے والے ویب سائٹس مالکان دنیا بھر کے بچوں کے ذہن میں تشدد اور انتہا پسندی کا لاوا پکا رہے ہیں اور اگر یہ لاوا پھٹ جائے تو پھر شاید ان ویب سائٹس کے مالکان کو معلوم نہیں کہ کتنی بڑی تباہی ہو سکتی ہے۔

یوں تو مغربی معاشرہ انسانی حقوق کی پامالیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا رہتا ہے اور اگر کسی ملک میں کسی معصوم پر کوئی ظلم ہوتا ہے تو عالمی میڈیا اس ملک کی وہ درگت بناتا ہے کہ اس کے سربراہ کسی ملک کے دورے پر جاتے ہوئے شرماتے ہیں لیکن اسی مغربی معاشرے کے چند ناسور دنیا کے کروڑوں انسانوں کی دل آزاری کرتے ہیں تو ہر طبقہ اور شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی اہم شخصیات بھی آنکھیں بند کر لیتی ہیں جو سراسر ناانصافی ہے۔ اگر مغرب خود کو دنیا میں غیر جانبدار رکھتا ہے تو اسے اس طرح کے واقعات کی مذمت کرتے ہوئے ان کی روک تھام کے لیے کردار ادا کرنا ہوگا ورنہ اس کی دوغلی پالیسیاں دنیا کے اربوں انسانوں کو دھوکے میں نہیں رکھ سکتیں۔

ہالی وڈ کی جنگی فلمیں

ہالی وڈ کو دنیا کی سب سے بڑی فلمی صنعت کا درجہ حاصل ہے۔ امریکی فوج اور ہالی وڈ کا تعلق خاصا پرانا ہے۔ امریکی فوج کے کارناموں کو اجاگر کرنے کے لیے ہالی وڈ سے کئی فلمیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ حالیہ دنوں میں عراق اور افغانستان کے خلاف جنگ میں امریکی فوجیوں پر الزامات منظر عام پر آنے کے بعد دنیا میں ان کے بارے میں منفی تاثر کو دور کرنے کے لیے پینٹا گون نے ہالی وڈ کو مدد مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ امریکیوں کا تاثر بہتر بنانے کے لیے ہالی وڈ کے ہدایت کاروں کے لیے ایک خصوصی شعبہ قائم کر رکھا ہے۔ زیر نظر مضمون میں اسی چیز کا احاطہ کیا گیا ہے۔

امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف نام نہاد عالمی جنگ میں لیفٹیننٹ کرنل جے ٹوڈ بریسلی کے پاس اب بھی ایک مشن ہے لیکن وہ ان دنوں جنگی محاذ پر کوئی ذمہ داریاں ادا نہیں کر رہے بلکہ انھیں عراق پر قبضے سے پہلے ہی محاذ جنگ سے ہٹا دیا گیا تھا۔ اب وہ پینٹا گون

کی طرف سے امریکی فوجیوں کا ہالی وڈ فلموں کے ذریعے تاثر بہتر بنانے کے مشن پر کام کر رہے ہیں۔ ہالی وڈ فلمسازوں کی طرف سے جنگی موضوعات پر بنائی جانے والی فلموں کو ان کے مشورے پر پینٹا گون معاونت مہیا کرتا ہے۔ان دنوں وہ دلشائر بلیوارڈ کے اپنے دفتر میں حقیقت اور تصورات پر مبنی جنگی فلموں میں فوج اور ہالی وڈ میں معاونت کا کام کر رہے ہیں۔ بریسلی کی میز پر مسودوں کا بڑا ڈھیر پڑا ہوتا ہے۔ان میں ہر ایک پر ان کا نام اور ''خفیہ'' کی مہر لگی ہوتی ہے۔ ان کا کام اس بات کا احاطہ کرنا ہے کہ کس طرح کی فلمیں امریکی فوج کے لیے مددگار ہو سکتی ہیں۔ یہ مشن بظاہر جتنا آسان دکھائی دیتا ہے اتنا ہی مشکل بھی ہے۔ ویت نام پر بنائی جانے والی جنگی فلمیں ''ایپوکلپسی'' اور ''ہارن آن دی فورتھ آف جولائی'' ویت نام پر نقصانات اٹھانے والے سابق فوجیوں کا نفسیاتی طور پر تاثر کو مضبوط بنانے کے لیے بنائی گئی تھیں۔

بریسلی کہتے ہیں ۸۰ء اور ۹۰ء کی دہائی کے آغاز میں ہالی وڈ میں ویت نام کی جنگ پر مبنی فلمیں بنانے کا دیوانگی کی حد تک جنون پایا جاتا تھا۔ ویت نام جنگ امریکی فوج کے لیے انتہائی تلخ تجربہ ثابت ہوئی۔ان دنوں امریکیوں کو ایک اور طویل غیر مقبول جنگ کا سامنا ہے۔ بریسلی کو توقع ہے کہ وہ نئی نسل کو امریکی فوجیوں کے بارے میں منفی پروپیگنڈے سے محفوظ رکھنے میں کامیاب رہیں گے کیونکہ عراق کے بارے میں بنائی گئی زیادہ تر فلمیں حقیقتاً ویت نام سے متعلق ہیں۔ ہالی وڈ والے ایسی جنگی فلم بنا رہے ہیں جس کی بنیاد کسی دوسری جنگ پر ہوتی ہے۔ یہ بات نہایت اہمیت کی حامل ہے کہ شائقین کو جنگی معاملات میں الجھانے کے بجائے موجود کہانی کا احاطہ کیا جائے جو ویت نام کے پراسرار دور کے واقعات پر مبنی نہیں ہونی چاہیے۔ پینٹا گون نے فلمساز کی معاونت اس وقت شروع کی جب ۱۹۲۷ء کی ''ونگز'' میں اسے جہازوں اور پائلٹوں سے مزین کیا گیا تھا جو پہلی جنگی فلم تھی جسے آسکر ایوارڈ سے نوازا گیا۔ فوج کی معاونت سے فلمساز کو جنگی بیسوں، بحری جہازوں، طیاروں، ٹینکوں اور دیگر فوجی وسائل تک رسائی حاصل ہو گئی۔ فوج سے متعلق زیادہ تر جنگی ایکشن فلمیں موسم سرما میں بنائی جاتی ہیں، جیسا کہ اس سال کی ''آئرن مین'' جو ایئر فورس کی مدد سے بنائی گئی تھی۔

فوج کے اعلیٰ عہدیداران ایسے فلمسازوں کے ساتھ کام کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں جو عراق پر سنجیدہ فلمیں بنانا چاہتے ہیں۔ فلمیں جو جنگ کے بارے میں عوامی رائے اور مشکلات کو سمجھنے کی طاقت رکھتی ہوں۔

عراق پر بنائی جانے والی فلم ''ان دی ویلی آف ایلا'' کے ڈائریکٹر اور مصنف پال ہگز کہتے ہیں کہ وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ فوج جنگ یا فوجیوں کے متعلق صحیح کہانیاں بنانے میں دلچسپی نہیں رکھتی۔ ہگز مزید کہتے ہیں بلاشبہ وہ ایسی چیزوں کو عکس بند کرتے ہیں کہ کون سی

چیزیں صحیح ہیں لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ حقیقت پر مبنی ہوتی ہیں۔

دہشت گردی کے حوالے سے امریکی فوجیوں کی کارروائیوں پر گزشتہ دس سال میں ۴۱ ہالی وڈ فلمیں بنی ہیں جن میں صرف عراق اور افغانستان میں جاری جنگ پر ۲۹ فلمیں بنائی گئی ہیں۔

مذکورہ فلموں میں سب سے اہم فلم جو حالیہ ایبٹ آباد آپریشن کے پس منظر میں ۲۴ جولائی ۲۰۰۹ء کو دنیا بھر میں ریلیز ہونے والی اہم فلم دی ہرٹ لوکر ہے، فلم دی ہرٹ لوکر کی کہانی امریکی انکاؤنٹر اسپیشلسٹ کے گرد گھومتی ہے۔ امریکہ کو انتہائی مطلوب شخص القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن کی تحویل میں لینے کے مبینہ آپریشن دی ہرٹ لوگر کے ہائی ویلیو ٹارگٹ کے خلاف کارروائی کے طریقہ کار کی نقل ہے۔ اس فلم کے ہدایت کار ہیگلو ہیں اور تحریر مارک بول کی ہے دی ہرٹ لوکر کے ایک سین میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح اسپیشل یونٹ نے ایک عراقی شہر کا محاصرہ کر کے اپنے ہدف پر حملہ کیا تھا۔

دی ہرٹ لوکر میں انکاؤنٹر اسپیشلسٹ ٹیم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ مطلوبہ ہائی ویلیو ٹارگٹ کو زندہ یا مردہ پکڑ کر اپنے قبضے میں لیا جائے جیسا کہ دو برس بعد ایبٹ آباد میں دکھایا گیا۔ دی ہرٹ لوکر کو زبردست ایکشن اور منفرد طرز کی کارروائیوں پر ۶ آسکر ایوارڈز بھی دیے گئے تاہم اس بات کی تصدیق نہیں ہوسکی کہ امریکا نے اپنی ہالی وڈ فلم دی ہرٹ لوکر سے متاثر ہو کر یہ آپریشن کیا یا اس کی ایبٹ آباد آپریشن کی حکمت عملی پہلے سے طے شدہ تھی۔ استعمار کے شہ دماغ کوئی بھی کتاب لکھیں یا ناول، فلم کا اسکرپٹ تحریر کریں یا ڈرامے کا، وہ اپنے مقاصد سے غافل نہیں ہوتے، وہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے ذہنوں کو ''مسمرائز'' کرتے ہیں۔ ''نائن الیون'' سے پہلے بھی اسی طرح کی فلمیں ہالی وڈ میں بن چکی تھیں چونکہ یہ دور میڈیا اور انٹرنیٹ کا ہے، اس لیے ان ذرائع کو پروپیگنڈے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، معمولی واقعے کو بڑھا چڑھا کر گلیمرائز کر کے اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ وہ غیر معمولی نظر آنے لگتا ہے اور بڑے واقعے کو اس طرح غیر اہم طریقے سے بیان کیا جاتا ہے کہ انسانی نظر کو نہ اس پر ٹکنے دیا جاتا ہے اور نہ ہی ذہن کو اس طرح لگنے دیا جاتا ہے۔

داستان میں رنگ آمیزی کرنے کی آزادی ہر ایک کو ہوتی ہے مگر مغرب نے میڈیا کے ذریعے جو رنگ آمیزی شروع کی ہے، اس سے سنسنی خیزی پیدا کی جاتی ہے اور معاملے کو پراسرار بنا دیا جاتا ہے، دہشت گردی کے خلاف جنگ اسی پراسراریت سے لبریز ہے۔ امریکا کے حکمران اور ادارے زعم برتری کا شکار ہیں، وہ دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتے ہیں۔ وہ دنیا کو بھی ایک فلم کی طرح چلانے کی مساعی میں مصروف ہیں جس طرح فلم کا ایک منظر ختم ہوتا ہے اور اس کا ایک

کردار اوجھل ہوتا ہے تو نیا منظر اور نیا کردار سامنے آجاتا ہے۔ مسلم دنیا میں ہر جگہ امریکا بظاہر اپنی مرضی سے کہانیاں آگے بڑھا رہا ہے۔

ایران عراق جنگ سے شروع کی جانے والی کہانی کے ''پردۂ سیمیں'' پر آنے کے بعد کہانیوں کا لامتناہی سلسلہ آگے بڑھنے لگا۔ پہلی خلیجی جنگ سعودی عرب میں امریکی افواج کی آمد، صدام حسین پر کیمیائی ہتھیاروں کے الزامات، میزائلوں کی تلفی، اسلحہ انسپکٹروں کے عراقی دورے، القاعدہ کے ساتھ صدام حسین کے روابط کا پروپیگنڈا، دوسری خلیجی جنگ، ''نائن الیون'' کے بعد کروسیڈ کا آغاز، افغانستان پر چڑھائی، صدام حسین کی اسیری اور پھانسی، اس کے بیٹوں عدی اور قصی کا قتل، ابوغریب میں انسانیت سوز جرائم کی تصاویر، گوانتاناموبے کے پنجروں میں انسانیت کی تذلیل، بگرام میں ڈاکٹر عافیہ کی بلند ہونے والی صدائیں، القاعدہ کے مبینہ ارکان کی ڈالروں کے عوض گرفتاری، ڈاکٹر عافیہ کے خلاف بوگس الزامات اور ان کے تناظر میں امریکی عدالت کا ''انصاف'' پاکستان میں ڈرون حملوں کی سیریز، ریمنڈ ڈیوس کا قضیہ اور پھر اسامہ بن لادن کی شہادت جیسے واقعات کے پس پردہ ایک ہی رائٹر، پروڈیوسر اور ڈائریکٹر ہے۔

☆☆☆

غزلیہ

وجود ہے تھکا تھکا
ہے دل ذرا بجھا بجھا

ہیں رنج وغم گلی گلی
اداسیاں جگہ جگہ

ہے ڈھونڈ اک نگاہ میں
ہر عکس ہے مٹا مٹا

پڑاؤ کی تلاش میں
ہے قافلہ لُٹا پٹا

عنایتیں روایتیں
وہی ستم گھسا پٹا

سنبھال کر رکھو اسے
جوخواب ہے بچا کھچا

(8دسمبر کی کہر آلود صبح)

بارشیں آگ بجھادیں گی کیا
خون کے داغ مٹا دیں گی کیا

خوف میں دیں گی اسے امن وامان
شہر کی مانگ سجادیں گی کیا

گنگناتی یہ ہوائیں دل کی
سوگواری کو گھٹا دیں گی کیا

آندھیاں رنج والم کی بڑھ کے
نقش یادوں کے مٹادیں گی کیا

قرض مانگی ہوئی خوشیاں غم سے
جان پہچان کرادیں گی کیا

قربتیں اپنا تعارف کرکے
فاصلے اور بڑھا دیں گی کیا

کیسے ممکن ہے نہ دیں ان کو دعا
مائیں بچوں کو بھلادیں گی کیا

(13دسمبر کی بھیگی صبح)

شمیم فاطمہ

دستِ دعا

این بلاک والا پرانا گھر اوراس گھر کے عقبی صحن کے دروازے سے وسیع وعریض باغ کو دیکھا جاسکتا تھا۔ جو مریم کے دادا نے اپنے وقتوں میں لگوایا تھا۔تب یہ علاقہ این بلاک نہیں،سلطان پورہ کا نواحی علاقہ کہلاتا تھا۔

مریم اسی پرانے این بلاک والے گھر کے عقبی صحن کا دروازہ کھول کر باہر دیکھنے لگی۔ حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

اوہ میرے اللہ! تاحدِ نظر باغ ہی باغ..... پہلے تو صرف مالتے اورامردود کے پودے تھے اب انتہائی مہارت سے آم، سیب اور انار کے بھی درخت یوں لگائے گئے تھے کہ ان کی خوبصورتی دل کوموہ لیتی۔مریم باغ میں گئی، وہاں ان درختوں کے علاوہ کچھ اور بھی تھا۔ انتہائی شفاف نیلے پانی کی نہر جس میں پھلوں کا عکس دل کو سرور دے رہا تھا۔ وہ چلتے چلتے باغ کے وسط میں پہنچی۔ عجیب سے چھوٹے بڑے سرخ، نیلی، ہری چونچوں والے پرندے چہچہا رہے تھے۔ باغ کے وسط میں ایک قالین بچھا ہوا ہے اوراس پر گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے سفید دودھیا رنگ کے کپڑے پہنے باوا جی بیٹھے ہیں۔

باواجی کو دیکھ کر ایک لمحے کو تو وہ سکتے میں تھی۔

''باوا جی.....'' مارے خوشی کے وہ زور سے چیخی۔

خلاف توقع باواجی نے اسے دیکھنے کے لئے منہ نہ پھیرا۔

''باواجی.....باواجی .....'' مریم کا دل چاہ رہا تھا بیک وقت روئے اور ہنسے ۔کتنی مدت کے بعد آج باواجی کو دیکھا تھا۔ایک ایک پل ان کے بغیر کیسے گزرا تھا۔ان کی لازوال پدری محبتوں شفقتوں کی محرومی پر کیسے آنسوؤں سے دامن بھگویا تھا۔

باواجی نے اس کے رونے کی آواز سن کر اسکی طرف دیکھا پل بھر کے لئے مخصوص دھیمے انداز میں مسکرائے اور پھر منہ پھیرلیا۔

مریم نے قالین پر پاؤں رکھا۔

اُف میرے خدایا قالین تھا یا روئی کا گولہ، اسکے پاؤں اندر تک دھنس گئے۔

''باواجی ،آپ ناراض ہیں؟'' اس نے باواجی کا بازو پکڑا۔

''یہ کیا۔؟''

یہ.....باواجی.....باواجی آپ۔مریم بیڈ پر لیٹی تھی لیکن بازو دور تک پھیلا ہوا تھا۔

مریم زور زور سے دھاڑیں مار کر رو پڑی۔

یہ خواب تھا۔خواب!!محض خواب!!

امی دوسرے کمرے میں سو رہی تھیں۔کافی دنوں

سے ان کا بلڈ پریشر شوٹ کر جاتا تھا۔ بلکہ کل رات سوتے میں وہ پلنگ سے نیچے گر پڑی تھیں آپوں آپ..... مریم نے تعبیر سوچی۔ باواجی امی کے نیچے گرنے یا صحیح خیال نہ کر سکنے پر ناراض ہیں۔

اس نے خیالوں ہی خیالوں میں پکا وعدہ کیا۔ اپنے پیارے باواجی سے۔ انشاءاللہ میں اب کبھی بھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی آپ کو۔

☆.....☆.....☆

''امی آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ دن بدن اتنی کمزور ہوتی جارہی ہیں؟'' بہت دیر سے مریم اپنی امی کا بازہ تھامے رو رہی تھی۔

پیلا زرد چہرہ، آنکھوں میں دشت کی سی ویرانی، آج پانچواں دن تھا انہیں اس حالت میں۔

مریم اپنی ہمت سے بڑھ کر ان کی تیمارداری کر رہی تھی حالانکہ شروع کے کچے دن تھے مائیں اپنی بیٹیوں کو پلنگ سے پاؤں نہیں اتارنے دیتیں مگر وہ انہیں لے کر ڈاکٹروں کے چکر لگا رہی تھی۔

ڈاکٹروں نے اپنی حد تک علاج معالجے میں کسر نہ چھوڑی۔ ہر طرح کے ٹیسٹ، رپورٹیں، ادویات، خوراک اچھی سے اچھی، مگر امی کی حالت سنبھلنے میں نہ آرہی تھی۔

''امی آپ تھوڑی سی ہمت کریں ناں۔ جب میں چلی جاؤں گی پھر کیا ہوگا۔؟''

ایک لمحے کے لئے امی نے آنکھیں کھولیں۔ سفید، بے نور، زندگی کی خواہش سے محروم..... مریم کا کلیجہ دھک رہ گیا۔

''امی آپ کو باواجی یاد آتے ہیں اس وجہ سے آپ کمزور ہوتی جارہی ہیں ناں!'' اس نے ماتھے سے بال ہٹائے۔ ''سب رشتے تو ہیں آپ کے اردگرد.....''

''کاش تمہارے باواجی مجھے دفناتے..... کفناتے.....'' دو گھنٹوں کی مغز ماری کے بعد امی نے ایک ہی فقرہ کہا فقرہ کیا تھا نیزے کی انی تھی جو مریم کے آر پار ہو گئی، بیڈ پر پڑی بے سدھ امی کو آکسیجن کی کمی سے اب سانس صحیح نہیں آرہی تھی.....

☆.....☆.....☆

یہ ایک بلند وبالا عمارت تھی..... بے انتہا خوبصورت۔ موتی محل! مریم حیران حیران سی اندر داخل ہوئی.....

''اللہ اکبر! بے ساختہ زبان سے بس یہی کلمہ نکلا۔ دور سے نظر آنے والا یہ چھوٹا سا مکان اندر سے اتنا بڑا..... کشادہ، اتنا خوبصورت..... اتنی زیادہ سہولتیں!!

فرنیچر، کارپٹ سے لیکر وال کلاک تک ہر چیز ایسی کہ نظر نہ ہٹائی جائے۔ بڑے سے بڑے شاپنگ مالز سے مریم نے شاپنگ کی تھی لیکن یہ کراکری، یہ ڈیکوریشن پیسز کبھی کہیں نہ دیکھے تھے.....

''پتہ نہیں کس کا گھر ہے!'' مریم یہ سوچتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہو گئی۔

سامنے تخت پر باواجی بیٹھے تھے۔

''باواجی آپ.....'' مریم گنگ ہوگئی۔

''باواجی یہ آپ کا گھر ہے کتنا پیارا ہے'' مریم نے باپ کے قریب جاتے ہوئے کہا۔

باواجی مخصوص دھیمے سے انداز میں مسکرائے اور اثبات میں سر ہلایا۔

''باواجی آپ اکیلے یہاں رہتے ہیں؟'' مریم نے اردگرد نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''تم کسی اور کو آنے تو دو..... باواجی نے خفگی سے کہا اور منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

''کیا مطلب؟ آپ ناراض ہیں مجھ سے؟'' اس نے باواجی کے منہ کی طرف جا کر کہا۔ باواجی بدستور خفا رہے.....

''باواجی ..... باواجی کہتے کہتے مریم کی آنکھ کھل گئی۔ کئی منٹ وہ خواب کے ماحول میں لیٹی رہی۔

امی کی آواز نے اسے بیدار کر دیا۔

مینو، مینو جان، پانی.....

مریم ہڑبڑا کر اٹھی۔

یا اللہ یہ کیا خواب تھا۔ باواجی مجھ سے کیوں خفا ہیں؟

عفان اور حسان کو بات بات پہ ڈانٹنے، کان مروڑنے، اوئے نالائقو، اوئے گدھو کہہ کر مخاطب کرنے والے باواجی نے مجھے کبھی کانٹا چبھنے جتنی تکلیف نہیں دی۔ ساری زندگی ہتھیلی کا چھالا بنا کر پالا۔

فرمائش نوک زبان پر آنے سے پہلے پوری کی۔ مجھے اپنی جنت اپنی راحت، ٹھنڈک کہنے والے باواجی نے اس دنیا سے جاتے ہی مجھ سے یہ رویہ کیوں اپنایا.....؟

جب خواب میں ملتے ہیں کسی نہ کسی بات پر خفا .....منہ پھیرتے۔ پہلے تو میں سمجھ رہی تھی کہ امی کی صحیح دیکھ بھال نہ کر سکنے پر وہ خفا ہیں پر اب تو کوئی ایسی بات نہیں اس نے اپنی امی کی خاطر راتوں کی نیند قربان کر دی ہے۔ وہ جو ایک منٹ کی بھوک برداشت نہیں کر سکتی تھی کس طرح سارا سارا دن بھوکی گزار دیتی ہے۔

کھانے کا ہوش نہ مہینے کا۔ اپنی ڈریسنگ، فنشنگ کا جنون رکھنے والی رنگ، پرنٹ، ڈیزائننگ سے بے خبر ہے۔ اور تو اور ڈائجسٹ پڑھنے والا عشق بھی اس نے اپنی امی کی بیماری پر قربان کر دیا۔

گھنٹوں ماں کے سرہانے بیٹھے رہنا۔ ان کی گھنٹے گھنٹے بعد کی ادویات کا خیال، نرم غذا، ان کے آکسیجن ماسک، مینلا ئزنگ، ان ہیلر..... ڈاکٹروں، نرسوں کے ساتھ ساتھ رہ کر آدھی ڈاکٹر وہ بن گئی ہے۔ ابھی کیا کمی ہے؟

پھر یہی نہیں، نمازوں میں سستی کرنے والی مریم نے ماں کی بیماری کے بعد نمازیں، صدقہ خیرات، دعا.....لمبی دعا سے ناطہ جوڑ لیا۔

اسکی نمازوں کو دیکھ کر رشک اور اسکی دعاؤں کو دیکھ کر ندامت ہوتی تھی۔ خفیہ خفیہ چپکے چپکے گڑگڑاتے رب سے راز و نیاز کرنا اور کرتے ہی چلے جانا، دنیا و مافیا سے بے نیاز!

ہچکیوں، سسکیوں کے بغیر دعا مکمل نہ ہوتی۔

ابھی بھی آپ خفا ہیں باوا جی؟

مریم رو پڑی۔ میں تو رو رو کے ایک ہی دعا مانگتی ہوں۔ میرے اللہ جو بھی ہو میری ماں کو لمبی زندگی عطا کر!!

☆.....☆.....☆

پرائیویٹ ہسپتال کا یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔

گرمیاں اپنے مسائل سے مالا مال کر کے رخصت ہو رہی تھیں۔ دو دن پہلے کی موسلا دھار بارش کی وجہ سے عجیب سی گھٹن تھی۔ بہت دیر سے مریم کروٹیں لے رہی تھی دس ماہ اور تیرہ دن۔ والدین، اولاد کے لئے مال جان نیند بھوک قربان کر سکتے ہیں لیکن اولاد کا ماں باپ کے لئے سب قربان کرنا عام بات نہیں ہے۔

مریم نے اسکو بھی خاص کر دکھایا۔ شادی کے بعد صرف دس دن رہنے کے بعد میاں کینیڈا راوانہ ہوئے۔ کاغذات تیار ہوئے ویزہ لگا لیکن مریم نے ماں کی تیمار داری پہ میاں کے پاس جانا قربان کر دیا۔

تیسرے ماہ کے اختتام پر اسے درد کی شدت میں ہسپتال ایڈمٹ ہونا پڑا پہلی وفعہ ماں بنتے بنتے نہ بن سکنے کے دکھ کو اس نے ماں کی خاطر برداشت کیا۔ کبھی امی کے پاؤں کی طرف بیٹھی وظیفے کر کر کے پھونک مار رہی ہے اور کبھی سرہانے بیٹھی دم کر رہی ہے۔

لوگ مریم کی خدمت کی مثالیں دیتے۔ ایسی نیک بچی ہے، ماں کی بیماری میں اپنا آپ بھلا دیا ہے۔

بہوئیں آتی ہیں، رہنا چاہتی ہیں لیکن گھر واپس بھجوا دیتی ہے۔ ''آپ بچے سنبھالیں میں ہوں ناں امی کے پاس.....''

دیکھنے والے دیکھتے آنسو پیتے پیتے بے حال ہو جاتے۔

اسکے دونوں ہاتھ جڑے ہوئے نظریں آسمان کی جانب ایک ہی فقرہ ایک ہی پکار، ایک ہی صدا، ایک ہی دعا، ''میرے مالک! میری امی کو میرے لئے دوبارہ زندہ کر دے۔ میری کوئی نیکی تجھے پسند ہے تو اسے قبول کر لے..... میرے اللہ! میری ماں کو صحت دے دے۔'' واصف اور آصف اسے بہلاتے سمجھاتے، اور تو اور اس کا پردیسی میاں اسکی حالت کا سن کر سات سمندر پار سے دوڑا چلا آیا، اسکی حالت دیکھ کر دہل گیا۔

جیسے ایک سنیاسن..... جوگی!

''یہ کیا حال بنا رکھا ہے تم نے.....اس طرح تو تم بھی مر جاؤ گی۔''

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بس سب کو دیکھے جا رہی تھی۔ ان دس ماہ میں اس نے ہسپتال اور اللہ بس دو چیزوں سے تعلق جوڑا۔ اس کا رواں رواں مجسم دعا بنا ہوا تھا۔

''اللہ میری ماں کو دوبارہ زندہ کر دے میرے لئے، اسی دعا میں وہ دن رات، صبح و شام مصروف رہی، اب بھی اسی عالم میں آنکھ لگ گئی۔

وہی باغ..... بہار..... وہی خوبصورتی کے

نظارے.....وہی کھیت کھلیان اور وہی باوا جی۔

باوا جی ، باوا جی کہتی وہ ان کی طرف لپکی۔ باوا جی نے اسکی طرف دیکھ کر غصے سے کہا۔''کیا بات ہے کیوں رکاوٹیں ڈالتی ہو۔''

''رکاوٹ؟ کونسی رکاوٹ؟ اسکی آواز حلق میں پھنس گئی۔ آنسو بہنے لگے۔ آنسو پونچھنے کے لئے اس نے ہاتھ منہ پر پھیرا۔

''اوئے.....''ایک دم انگلی آنکھ میں لگنے سے اسکی آنکھ کھل گئی۔

اِک سناٹا اس کے چاروں طرف چھا گیا، دہشت زدہ ہوکر اس نے آنکھیں کھولیں۔

اے سی کی ہلکی پھلکی آواز، بند کمرہ، پردے برابر کیے ہوئے۔ امی کے اوپر سفید چادر۔ امی پر اس نے نظر ڈالی۔ چار دن سے کومے میں تھیں بس سانس کا رشتہ تھا جو کسی لمحہ ٹوٹنے کو تھا۔ جب اس کی آنکھ کھلی، ڈاکٹرز دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آ چکے تھے۔

وہ ابھی بھی باوا جی کے غصے سے لرز رہی تھی۔ ڈاکٹر بیگ اس کے پاس آئے۔

''بیٹا!''وہ اس کے قریب آئے ان دس گیارہ ماہ میں وہ اسکے بہت قریبی چچا تایا کے رشتے جیسے ہو گئے تھے۔

''بیٹا! آپ پریشان ہیں؟''

مریم نے کھل کر خوابوں کی ساری تفصیل انہیں سنائی۔'' آپ بتائیں کوئی بیٹی ایسے خدمت کرتی ہے؟ ایسے دن رات دعائیں کرتی ہے؟'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

ڈاکٹر بیگ مسکرائے اور بولے۔''تعبیر صاف ظاہر ہے۔''

مریم ڈاکٹر صاحب کو ہونق بنی دیکھ رہی تھی۔

''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟''

''بیٹا جی تعبیر یہ بتا رہی ہے کہ جس طرح آپ کو اپنی والدہ کی ضرورت ہے۔ آپ دن رات ان کی زندگی کی دعا کرتی ہیں۔ اسی طرح ان کی ایک فیملی، اگلے جہاں میں ان کی منتظر ہے۔ ان کے والدین، بہن بھائی، ان کے شوہر یعنی تمہارے باوا جی انکے منتظر ہیں۔ اور تمہاری روتی بلکتی ، عرش کے تاروں کو ہلاتی دعائیں انہیں ان تک پہنچنے نہیں دیتیں.....رکاوٹ بنتی ہیں..... تو تمہارے باوا جی بھی تم سے ناخوش اور تمہاری امی جان بھی آکسیجن ماسک ، یورین بیگ لگائے لگائے اذیت میں۔ اب تم سوچو کیا کرنا ہے؟''

''اچھا یہ بات ہے۔''مریم نے کہا۔

بیٹے اللہ سے دعا مانگو، وہی دعا جو اس حالت میں اس نے تمہیں، مجھے اور کل عالم کو بتائی ہے اور سب دعاؤں سے بہتر ہے، سب اذیتوں سے نجات دینے والی ہے۔''ڈاکٹر بیگ نے اسکے سر پر ہاتھ رکھا۔

''تم دعا مانگو:رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْن ۔یعنی اے میرے رب مجھے اس سے بہت تکلیف پہنچ رہی ہے اور بلاشبہ تو ہی رحم

فرمانے والا ہے۔

اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ اگر اللہ نے زندگی لکھی ہے تو اسکی رحمت والی ہوگی اور اگر سب سے تلخ حقیقت موت کا فیصلہ ہوگیا تو اللہ اس موت کو مریض کے لئے رحمت بنادے گا۔

ڈاکٹر بیگ سانس لینے کو رکے۔اسی اثناء میں ان کے سیل فون پر مسلسل میسج ٹون ہورہی تھی۔ وہ سننے پڑھنے میں مصروف ہوگئے۔ مریم نے امی کی طرف دیکھا۔امی کومے کی حالت سے نکل چکی تھیں۔ان کی آنکھیں ایک لمحے کے لئے کھلیں۔دروازے سے نکلتے ڈاکٹر کو دیکھا انکی نظروں میں ممنونیت ہی ممونیت،احسان ہی احسان،شکریہ ہی شکریہ تھا۔مریم کو اپنی کم فہمی پر افسوس ہوا۔بس ، اسی بدبخت کو اس خواب کی تعبیر سمجھ میں نہ آسکی۔بستر پر پڑی۔امی کو بھی سمجھ آ گئی۔اس کی پشت پر کھڑے اس کے شوہر کا سر ہلاتے ہوئے تائید کا انداز سب سمجھ گئے بس وہی ناسمجھ نکلی۔ جو ماں کی اذیتوں کی دعا کر کر کے ابا کو بھی ناراض کرتی رہی۔اپنے آنسوؤں سے بھیگے چہرہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے درد سے دعا مانگی: رَبِّ اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ۔

اور تمام فکروں سے بے نیاز ہوگئی۔رحم کرنے والا رب جو بھی فیصلہ کرے گا۔اسے قبول ہے.....صدق دل سے!

☆☆☆

طوبیٰ احسن

یہ کیسی راہیں

عروج بیوٹی پارلر میں اس وقت کام عروج پر تھا۔ روزی، روبی، تانیہ سمیت تقریباً سب ورکرز ہی مصروف تھیں۔ کچھ خواتین اپنی باری کا انتظار کر رہی تھیں۔ عروج ریسپشن پر بیٹھی کال اٹینڈ کر رہی تھی۔

''ہیلو جی! آپ کل صبح 11 بجے تک آجائیں۔''

اس کا انداز پروفیشنل تھا۔ جیسے ہی فون رکھتی پھر کال شروع ہو جاتی۔ سامنے ٹیبل پر کمپیوٹر رکھا تھا جو بھی کال آتی وہ لوگوں کو ٹائم دے کر کمپیوٹر پر اندارج کر دیتی۔ آج ریسپشن پر بیٹھنے والی عافیہ غیر حاضر تھی لہٰذا عروج کو اسکی جگہ سنبھالنی پڑ رہی تھی۔ پارلر میں آج رش زیادہ تھا۔ 4 بجنے کے بعد تو روزانہ ہی ایسا رش ہوتا تھا جو کہ رات دس بجے تک جاری رہتا۔

عروج بیوٹی پارلر کا ایک نام اور مقام تھا۔ خواتین اسکی کارکردگی سے مطمئن تھیں اور یہاں سے کام کروانے کو باعثِ فخر سمجھتی تھیں۔

''ہیلو'' اچانک پھر کال آئی ''جی آپ کا نام؟''

''میرا نام آسیہ ہے۔ میں نے آپ سے دلہن میک اپ کے لئے ٹائم لیا ہوا ہے۔''

''تو؟'' عروج نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

جواب میں خاموشی رہی۔

''پھر بی بی آپ کیا چاہتی ہیں؟'' عروج قدرے جھنجھلائی۔

''میں آپ کو بتادوں؟ نہیں، میں دراصل آپ کی اونر سے ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''کیا ضروری بات ہے؟'' ساتھ ساتھ میل چیک کرنے لگی۔

''اس کے لیے میڈم عروج سے ہی بات کرونگی''

''میں عروج ہی بات کر رہی ہوں آپ بات کیجیے پلیز''

''دیکھیں میرے گھر والوں نے آنے والے بدھ کے دن کے لئے ٹائم لیا ہوا ہے۔ بدھ کو میری شادی کا دن ہے۔ میرج ہال کی بکنگ کافی پہلے ہی ہو چکی ہے۔ آپ کے پارلر سے بھی میری باجی نے 15 دن پہلے سے ہی ٹائم لے لیا تھا۔ آپ نے مجھے منگل کو سروس کے لیے بلایا تھا۔'' لڑکی کی آواز دھیمی اور لہجہ پر اعتماد تھا۔

یہ تو میرا وقت ضائع کر رہی ہے۔ عروج کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''دیکھئے اگر آپ وقت یا دن تبدیل کرانا چاہتی ہیں تو آپ کو آکر بات کرنی ہوگی۔ پھر ایکسٹرا چارجز بھی آپ کو دینے ہوں گے۔'' یہ کہہ کر عروج نے فون پٹخ دیا اور کمپیوٹر پر بدھ کی اپائنٹ منٹس چیک کرنے لگیں۔

آسیہ کی بات بالکل ٹھیک تھی۔ واقعی میں ایسا ہی تھا جیسا

کہ وہ کہہ رہی تھی۔لیکن یہ سب دہرانے کا مقصد کیا تھا؟ اور وہ جو کہہ رہی تھی کہ میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتی ہوں.....عروج کچھ الجھ سی گئیں۔

اتنے میں دو خواتین آ کر ان سے اپنا کچھ معاملہ ڈسکس کرنے لگیں تو وہ بھول بھال گئیں۔ایک گھنٹہ گزرا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔پھر وہی آواز تھی۔

''میں آسیہ بات کر رہی ہوں۔میں نے ابھی ایک گھنٹہ پہلے آپ سے بات کی تھی۔''

''جی فرمایئے''عروج نے بیزاری سے کہا''لیکن مختصر!اور جلدی بولیے''

''دراصل''لڑکی بولتے بولتے کچھ رک سی گئی۔ اسکے انداز میں ہچکچاہٹ در آئی۔''میں آپ سے ایک.....ایک ڈیل کرنا چاہتی ہوں''

''ڈیل''عروج چونکیں''کیسی ڈیل؟''

''میں وہ وہ.....''

''ہاں ہاں بولو''انہوں نے اسکی حوصلہ افزائی کرنے کی کوشش کی۔

''میری شادی میں میری مرضی شامل نہیں ہے۔ میں یہاں شادی نہیں کرنا چاہتی جہاں والدین نے بات طے کی ہے''آخر کار آسیہ بول ہی پڑی۔عروج کو ایک کرنٹ سا لگا۔وہ اپنی کرسی پر اچھل سی گئیں۔حیرت سے انکی آواز بلند ہوگئی۔ پارلر میں موجود سب خواتین انکی طرف دیکھنے لگیں۔

''میں دراصل کسی اور کو چاہتی ہوں۔''اس کا لہجہ پر اسرار تھا۔

''پھر آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟''انہوں نے حیرت پر قابو پانے کی کوشش کی۔

''میں آپ سے ایک فیور چاہتی ہوں۔اگر آپ میری مدد کریں تو میں اپنی محبت حاصل کر سکتی ہوں۔ ''آسیہ نے پر جوش لہجے میں کہا۔

عروج نے ایک ٹھنڈی سانس لی''ٹھیک ہے،میں آپ کی مدد کے لئے تیار ہوں،لیکن مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''شکریہ بہت شکریہ''لڑکی نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا''میں آپ کو رات فون کرونگی پھر سارا لائحہ عمل طے کر لیں گے۔''

''ٹھیک ہے''عروج نے اپنی رضا مندی دے دی۔''آپ میرا موبائل نمبر نوٹ کر لیں۔''

رات 11 بجے کے بعد عروج اپنے بیڈروم میں اپنا موبائل سامنے رکھے اسکو گھورنے میں مصروف تھیں۔ انکو اب سے چھ ماہ پہلے کا واقعہ یاد آ رہا تھا جب انکی ایک مستقل کلائنٹ شازیہ کو بھی یہی مسئلہ درپیش تھا۔وہ لڑکی اپنی خوش اخلاقی اور ملنساری کی وجہ سے انکو عزیز تھی۔ انہوں نے اس کے والدین سے ملاقات کی اور انکو لڑکی کی رضامندی کے مطابق رشتہ طے کرنے کی درخواست کی۔لیکن اس معاملے میں اہم پہلو یہ تھا کہ وہ لڑکے سے ذاتی طور پر واقف تھیں جس کی وجہ سے انہوں نے اس کی طرفداری کی اور شازیہ کے والدین کو اس کے روشن مستقبل اور اچھے خیالات کی بنا پر لڑکی کی مرضی کے

مطابق رشتہ کرنے پر اکسایا۔ کافی عرصے تک یہ معاملہ چلا۔ عامر اور شازیہ آج تک ان کے شکر گزار تھے اور ان کے والدین بھی.....

وہ یہی سوچ رہی تھیں کہ اچانک فون کی بیل بجنے لگی دوسری طرف آسیہ ہی تھی جس کے فون کا وہ بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں۔

''ہاں آسیہ!'' انہوں نے میٹھے لہجے میں بات شروع کی۔''تم مجھ سے کیا فیور چاہتی ہو؟''

''میں اپنے کلاس فیلو فیصل کو پسند کرتی ہوں۔'' آسیہ نے جھجکتے ہوئے بات شروع کی۔''میری بات بچپن ہی سے میرے چچا کے بیٹے سے طے ہے، آپ نے میری دوست شازیہ کی مدد کی تھی آپ میری مدد بھی کریں۔''

''میں تیار ہوں'' عروج نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر کہا''تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟''

''میں سخت نگرانی میں ہوں۔'' آسیہ نے کہا'' کیونکہ میں اپنے گھر والوں پر یہ بات ظاہر کر چکی ہوں کہ میں گھر سے موقع ملتے ہی بھاگ جاؤں گی۔ لیکن وہ میرا فیصلہ نہیں بدل سکتے، مجھ کو گھر سے نکلنے اور فون کرنے کی اجازت نہیں، یہاں تک کہ میرے کمرے کی کھڑکی پر بھی پہرا ہے، میں باہر نہیں دیکھ سکتی، یہ موبائل جس سے میں بات کر رہی ہوں اس کو میں نے چھپا کر رکھا ہے۔ اس کے بارے میں ان کو علم نہیں۔''

''میں سمجھ گئی'' عروج نے پست آواز میں کہا''لیکن انکو فیصل پر کیا اعتراض ہے؟''

''اعتراض ؟'' آسیہ بھڑک اٹھی''کوئی ایک اعتراض ہو تو بتاؤں۔ اس کے پاس جاب نہیں، وہ ہماری برادری کا نہیں۔ آپ کو پتا نہیں ابھی تو ہمارا رزلٹ بھی نہیں نکلا اتنی جلدی جاب کیسے مل سکتی ہے۔ لیکن کوئی مانتا ہی نہیں،۔ آناً فاناً شادی طے کر دی۔'' وہ سخت ناگواری سے بولی۔

''ٹھیک ہے، اب تم کیا چاہتی ہو، کیا میں تمہارے گھر والوں سے ملوں؟''

''نہیں میڈم'' آسیہ تیزی سے بولی۔''اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ میں نے آپ سے رابطہ کیا ہے تو وہ مجھے جان سے مار دینگے وہ فیصل سے میری شادی ہرگز نہیں کرینگے۔''

''میں یہ چاہتی ہوں میڈم'' آسیہ بات کرتے کرتے رک سی گئی۔

''ہاں ہاں بولو'' انہوں نے حوصلہ دیا کیونکہ وہ اس کا مدعا معلوم کرنے کے لئے بے چین تھیں۔

''میں چاہتی ہوں کہ جب میں آپ کے پاس تیار ہونے آؤں تو آپ مجھ کو اپنے پارلر کے پچھلے دروازے سے نکال دیں۔ میں فیصل کے ساتھ نکاح کر لوں گی۔''

''کیا؟'' انکی زبان سے نکلا اور پورے جسم میں سنسنی دوڑ گئی وہ لرز کر رہ گئیں ایک لمحے کے لئے تو وہ کچھ بول ہی نہیں سکیں۔ پھر اچانک ان کو غصہ آ گیا۔

''تم بے قوف تو نہیں ہو؟'' انہوں نے برہمی سے

کہا''میرے پارلر کی ریپوٹیشن خراب ہوجائے گی۔ خواتین میرے پاس آنا چھوڑ دیں گی۔''

''میری پوری زندگی کا سوال ہے میڈم'' آسیہ نے گڑگڑانے والے انداز میں کہا''آپ کوئی بھی محفوظ پلاننگ کرسکتی ہیں جس سے آپ بچ جائیں۔ میں فیصل کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔''

''اچھا'' انہوں نے حیرت کے جھٹکے سے سنبھل کر کہا۔''میں کل سوچ کر جواب دونگی۔''

''لیکن جواب اثبات میں ہونا چاہیے میڈم، پلیز'' آسیہ نے ملتجی لہجے میں کہا۔''آپ کے بارے میں بہت سنا ہے کہ آپ محبت کرنے والوں کو ایک کرنے سے دلچسپی رکھتی ہیں، اسی لیے آپ.....پلیز پلیز.....''

''ٹھیک ہے'' انہوں نے انتہائی حد تک اپنے لہجہ کو نرم بنانے کی کوشش کی۔''میں پوری کوشش کرونگی کہ میرا فیصلہ تمہارے حق میں ہی ہو۔تم مجھ سے کل اسی وقت رابطہ کرنا'' انہوں نے فون بند کردیا۔

دوسرے دن رات 11 بجے آسیہ کی پھر کال آئی۔ عروج تو پہلے ہی منتظر تھیں۔انہوں نے بات شروع کی۔

''دیکھو آسیہ! میں نے تمہاری بات پر اچھی طرح غور کیا ہے اور میں نے ایک منصوبہ بھی تیار کرلیا ہے اس طرح کہ تمہارا کام بھی بن جائے اور میں بھی محفوظ رہوں''

''بہت بہت شکریہ میڈم'' آسیہ کی آواز خوشی سے لرز رہی تھی۔

''لیکن میری ایک شرط ہے۔'' عروج نے کہا۔

''کیا میڈم کیا شرط ہے آپکی.....آپ جو کہیں جتنی بھی رقم کا آپ مطالبہ کریں گی فیصل آپ کو دینے پر تیار ہے۔'' وہ خوشی سے کھنکتی ہوئی آواز میں بولی''آپ کو پتہ ہے وہ میری خاطر بڑے سے بڑا خطرہ مول لے سکتا ہے۔اس نے تو یہ پلاننگ کی تھی کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ آکر اسلحے کے زور پر مجھے کو لے جائے۔ یہ کام وہ شادی ہال میں بھی کرسکتا ہے۔اور پارلر میں بھی۔لیکن میں نے اس کو منع کیا۔اسلحہ کا کام بڑا خراب ہوتا ہے۔ اگر گولی چل جائے تو معاملہ بگڑ سکتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ بغیر خون خرابے کے کام ہوجائے، حالانکہ فیصل ہروقت مرنے مارنے کی بات کرتا ہے۔''

عروج نے اس کی بات توجہ سے سنی۔اس کی باتوں سے اس معاملے کو اچھی طرح سمجھنے میں مدد مل سکتی تھی اور فیصل کے کردار پر بھی روشنی پڑ سکتی تھی۔

''اس کا مطلب ہے کہ وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے''

''بہت زیادہ میڈم'' آسیہ کا لہجہ فخریہ تھا۔''آپ بتائیں آپ کی کیا شرط ہے۔''

''میں فیصل سے ملنا چاہتی ہوں۔'' عروج نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''کیا'' آسیہ حیرت سے گنگ رہ گئی۔

''ہاں میری یہی شرط ہے۔ اگر تم کو منظور ہے تو

ٹھیک ورنہ پھر ہمارے درمیان کوئی بات طے نہیں ہوسکتی۔''

''میں آپ کو فیصل سے بات کرکے جواب دونگی۔'' آسیہ تھوڑا سا گھبرا گئی۔

''تم مجھ کو کل تک جواب دے دو۔کل اتوار ہے ۔پیر کو وہ مون ہوٹل میں مجھ سے مل لے۔''

''ٹھیک ہے میڈم'' آسیہ نے فون بند کردیا۔

☆.....☆.....☆

پیر کی رات کو عروج کے پاس آسیہ کا فون آیا''میری فیصل سے بات ہوگئی ہے۔'' اس نے پر مسرت لہجے میں اطلاع کی۔''فیصل آپ سے مل کر بہت خوش ہوئے ہیں میڈم۔انہوں نے آپ کی بڑی تعریف کی۔''

''ہاں آج شام کو میں نے فیصل سے ملاقات کی ہے اور ہم نے ساری بات طے کرلی ہے اب تم بالکل بے فکر ہوجاؤ۔کل منگل ہے،کل تم میرے پاس سروس کے لئے آؤ گی تو میں تم کو ساری تفصیل سے آگاہ کردونگی۔ یہ ساری باتیں ویسے بھی فون پر کرنا مناسب نہیں۔''عروج نے اس کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے میڈم'' آسیہ اس سے اتفاق کرتے ہوئے بولی۔

''چلو تمہاری آزمائش بھی اب ختم ہونے کو ہے۔ پرسوں بدھ ہے، اس دن تم آزاد ہوگی۔'' عروج نے ہلکے پھلکے انداز سے کہا۔

''جی میڈم'' آسیہ پرمسرت لہجے میں بولی۔ آزادی کا دن بھی اور انتقام کا بھی۔''

''انتقام.....کیا مطلب؟''عروج نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

''میرے والدین اور بھائیوں نے مجھ پر جو ظلم وستم کیا اور مجھ کو میرے کمرے ہی میں قید تنہائی میں مبتلا کردیا۔ میری شادی جو کہ سراسر میرا ذاتی معاملہ ہے اس میں دخل اندازی کی اور مجھ پر اپنی مرضی مسلط کرنے کی کوشش کی۔'' وہ اپنے گھر والوں کے سنگین جرائم دہراتی چلی گئی۔

عروج بالکل خاموش تھیں،انہوں نے اس کی بات پر تبصرہ نہیں کیا۔آسیہ بھی انکی خاموشی سے اکتا گئی۔

''اچھا میڈم کل ملاقات ہوگی۔''

''دیکھو آسیہ''انہوں نے سمجھانے والے انداز میں کہا''تمہارے والدین کے گھر اب صرف تمہارے دو دن باقی رہ گئے ہیں۔اس کے بعد تم چلی جاؤ گی اور تم انکو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتی ہو۔لہٰذا تم کو چاہیے کہ تم ان سے اپنے پچھلے کیے کی معافی مانگ لو اور اپنے رویے سے ایسا ظاہر کرو گویا تم ان کے فیصلے پر راضی اور مطمئن ہو، اس طرح کسی کو شک بھی نہیں ہوگا اور ہمارے لیے اپنی منصوبہ بندی پر عمل کرنا آسان ہوگا۔''

ایک لمحے کے لئے آسیہ چپ سی رہ گئی''ٹھیک ہے میڈم میں آپکی ہدایات پر عمل کرنے کی کوشش کرونگی۔'

ایک لمحے کے توقف کے بعد آسیہ نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

☆.....☆.....☆

آج بدھ کا دن تھا میڈم عروج اپنے پارلر میں موجود تھیں۔ مغرب کی اذانوں کی آواز بلند ہوئی اور آسیہ اپنی بڑی بہن سیما کے ساتھ آموجود ہوئی۔

''آپ باہر کرسی پر تشریف رکھیں۔'' عروج نے سیما سے کہا ''ان کا سامان کپڑے زیور وغیرہ مجھے دے دیں۔'' وہ آسیہ کو لے کر سامنے موجود کمرے میں چلی گئیں۔ خودکار قفل سے دروازہ مقفل ہو چکا تھا۔ سیما گھنٹہ بھر سے باہر بیٹھی تھیں۔ پارلر کے باہر انکے بھائی ساجد گاڑی لیے کھڑے تھے، حالانکہ آسیہ کا رویہ دو دن سے بالکل تبدیل ہو چکا تھا اور اس نے سب گھر والوں سے معافی مانگ لی تھی لیکن پھر بھی ایک خوف تھا جو کہ سب پر ہی ایک عفریت کی طرح پنجے گاڑے بیٹھا تھا۔ گھر میں خوشی کا موقع تھا لیکن انجانے خوف سے سب ایک دوسرے سے نگاہیں چرا رہے تھے۔ نجانے کب کیا ہو جائے! آسیہ کے عزائم اور ارادے بڑے خطرناک تھے۔

دو گھنٹے ہونے کو تھے، سیما کا اطمینان اور چین رخصت ہو چکا تھا، وہ مستقل اضطرابی کیفیت میں تھیں۔ آخر کتنی دیر لگے گی؟ انہوں نے ریسپشن پر بیٹھی لڑکی سے کوئی دسویں بار پوچھا۔ ادھر ساجد نے مستقل کال کر کے ناک میں دم کر دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ہال کے ساتھ بنے برائیڈل روم میں آسیہ دلہن بنی بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، باوجود میک اپ کے صاف محسوس ہوتا تھا کہ وہ روتی رہی ہے۔ وہ بالکل ساکت بیٹھی تھی سر جھکا ہوا تھا۔ کچھ ہی دیر میں سیما آ گئیں۔

''آسیہ کچھ کھاؤ گی؟''

''نہیں'' آسیہ کا لہجہ سپاٹ تھا۔ وہ نیچے دیکھ رہی تھی اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگانا آسان کام نہ تھا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔

''آپ مجھ کو تھوڑی دیر کے لئے اکیلا چھوڑ دیں۔'' آسیہ کا اشارہ ان لڑکیوں کو طرف تھا جو کہ دلہن دیکھنے کے شوق میں اس کے اردگرد جمگھٹا لگائے ہوئے تھیں۔ سیما بڑی مشکل سے لڑکیوں کو باہر نکالنے میں کامیاب ہوئیں۔

''صرف 15 منٹ'' سیما نے تنبیہی نگاہوں سے آسیہ کی طرف دیکھا۔ ''15 منٹ بعد تم کو اسٹیج کی طرف جانا ہوگا۔''

آسیہ کچھ نہ بولی وہ بالکل خاموشی سے سوچنا چاہتی تھی کہ اس کے ساتھ یہ کیا واقعہ پیش آ گیا تھا۔ ساری منصوبہ بندی بالکل درست تھی۔ اپنی دانست میں وہ گھر والوں کا اعتماد جیتنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ صبح ہی فیصل سے بات ہوئی تھی 5 بجے بھی اس کا فون آیا تھا۔ سارے انتظامات مکمل تھے۔ پھر کیا گڑبڑ ہوئی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ میڈم عروج نے بھی بھرپور تعاون کیا۔ فیصل

سے آٹھ بجے آنے کی بات ہوئی تھی۔لیکن انتظار کرتے کرتے آٹھ سے نو بج گئے لیکن کہیں فیصل کا پتہ نہ تھا۔ فون کرتے کرتے انگلیاں گھس گئیں۔بیل جارہی تھی لیکن فون کوئی اٹھاتا نہ تھا۔

روتے روتے آسیہ کی حالت خراب ہوگئی۔وہ دلہن بننے پراورمیک اپ کرانے پر بالکل راضی نہ تھی لیکن میڈم عروج نے اس کو قائل کیا کہ یہ تو گڑھے سے نکل کر اندھی کھائی میں گر جانے والی بات ہے بادل نخواستہ وہ تیار ہوئی ادھر ساجد بھائی اور سیما آپی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔سیما آپی نے عروج آنٹی کے خوب لتے لئے کہ اتنا بڑا پارلر اور 2 گھنٹے ہوئے ایک دلہن تیار نہ ہوسکی۔ انہوں نے بڑی خندہ پیشانی سے سیما آپی کی بری بھلی سنی لیکن سارے معاملے کی بھنک نہ پڑنے دی۔اب آسیہ دلہن بنی شادی ہال میں موجود تھی۔لیکن ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے اعصاب جواب دے رہے ہوں ۔ ایسا لگتا تھا کہ سوچتے سوچتے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔آخر فیصل اس کو لینے کیوں نہیں آیا.....کیا کوئی حادثہ ہوگیا یا پھر اس نے آسیہ کے ساتھ دھوکے بازی کی؟

☆.....☆.....☆

''ہیلو ایس پی صاحب میں عروج بات کررہی ہوں۔''

جی میڈم کیا حال ہیں آپ کے؟''دوسری طرف سے سوال کیا گیا۔

''میں خیریت سے ہوں آپ سنائیں''عروج نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میڈم جو بندہ آپ نے پکڑوایا ہے وہ تو بڑا کام کا بندہ نکلا''دوسری طرف سے کہا گیا۔

''اچھا،وہ کیسے؟''عروج نے حیران ہوکر پوچھا۔

''میڈم ان کا پورا گینگ ہے۔ یہ لوگ لڑکیوں کو اغوا کر کے یا پھر عشق ومحبت کے جال میں پھانس کر باہر اسمگل کر دیتے ہیں۔ان کے کافی اڈے ہیں جہاں سے گرفتاریاں ہوئی ہیں۔لڑکیاں بھی ملی ہیں جن کو ایک تہہ خانے میں رکھا گیا تھا۔''

ایس پی صاحب سے بات کر کے عروج کچھ دیر تک خاموش بیٹھی رہیں۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھیں، آپ کو کیا معلوم ایس پی صاحب لڑکیاں معصوم ہوتی ہیں۔ذرا سا پیار بھرا لہجہ،تھوڑی سی تعریف اور محبت کے اظہار کے پیچھے اپنا تن، من وار دیتی ہیں۔لیکن ضروری نہیں کہ ہر دل کا کھوٹ ان پر ظاہر ہو جائے اور ہر بد باطن دل کی بے راہ روی ان پر عیاں ہو جائے۔ پھر جب وہ دھوکا کھاتی ہیں تو منہ کے بل گرتی ہیں۔ پھر انکو اٹھانے والا اور کھڑا کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ ہاں انکے اوپر پاؤں رکھ کر گزرنے والے بہت ہیں.....

اور میں ایسی لڑکیوں کو بچانا چاہتی ہوں.....کیونکہ مجھ پر قرض ہے.....ان ہاتھوں کا جنہوں نے مجھے بھٹکنے سے بچایا اور میری راہنمائی کی!!

☆☆☆

قسط2

کہیں چاند راہوں میں کھو گیا

نصرت یوسف

وہ جو تسبیح کے دانوں پر محرومیوں کا شکوہ پڑھتا تھا، جب اس کی فریاد سنی گئی تو وہ کپکپا اٹھا.....تشکیک کی سرحدوں پر گھومتے ایک انجان کی کہانی

کچھ دیر بعد ساحل کی نرم نرم سی گیلی ریت پر اس کے ساتھ چلتے ہوئے عمر خیام پرسکون ہو چکا تھا۔ نام اس کا سحاب تھا۔ وہ خود بھی سفید روئی کے پھوئے جیسے بادلوں کی طرح دل موہ لینے والی تھی۔ صرف بیس برس کی تھی، عمر خیام سے بائیس برس چھوٹی، عمر خیام کے فیس بک پیج پر وہ کب اور کیسے آئی، یہ اسے قطعاً یاد نہیں تھا۔ فوٹو گرافی کے حوالے سے بنے اس صفحہ پر فوٹو گرافی کے سینکڑوں شوقین موجود تھے۔ ایسے میں سحاب کی آمد اور موجودگی سے عمر خیام کی لاعلمی عجیب نہ تھی۔ ایک دن اپنے اسٹوڈیو میں فرصت کے لمحات میں وہ فیس بک پر اپنے پروفیشن سے متعلق کچھ معلومات اپ لوڈ کر رہا تھا کہ دیکھا کہ کسی کی اسکے صفحہ پر کی گئی تازہ تازہ پوسٹنگ ''فنا اور بقا'' کے عنوان سے تھی۔ فوٹو گرافی کے صفحہ پر یہ مختلف سا عنوان عمر خیام کو خاصا دلچسپ لگا جس میں کہا گیا تھا کہ انسان چونکہ فانی ہے اس لئے وہ فوٹو گرافی کے ذریعے بقا کا راستہ کھوجتا ہے۔

یہ سحاب تھی! اس کی یہ پوسٹنگ تین ماہ قبل اس کے اور عمر خیام کے اولین رابطے کا سبب بن گئی۔ تشنہ تشنہ عمر خیام نے اس کے ساتھ بڑی آسودگی محسوس کی۔ وہ بھی اس کی پکار پر ایسے دوڑی آئی جیسے رانجھے کی ہیر۔ ماں باپ دونوں کسی ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی طرح سیٹ تھے اور وہ انکی اکلوتی اولاد۔ ماں نے بھی پسند کی شادی کے لئے گھر والوں کی مخالفت مول لی تھی سو سحاب بھی تین ماہ کی ملاقاتوں میں عمر خیام کے لئے کسی بھی درجہ کی بغاوت کے لیے تیار تھی۔ اگر وہ ایسا سوچتی تھی بھی تو خاصی عقلمندی کرتی تھی۔ خوب اچھی طرح معاشی طور پر مستحکم اور ہینڈسم سا بیالیس سالہ مرد جو جذباتی طور پر مضطرب ہو کر اسکی طرف لپکتا تھا۔ مستقبل میں اسکی رفاقت سحاب کو بڑی پرکشش لگتی تھی۔ اس کی سوچ میں پختگی بیس سال کے بجائے تیس سال والی تھی جبکہ چہرے پر اسکی کوئی چھاپ نہ تھی۔ وہ اتنا ہی معصوم اور نوخیز تھا جیسے اسکی عمر۔ وہ عمر خیام کی اولاد کے برابر تو نہ لگتی تھی لیکن اس کی ہیروئن بھی نہ بن سکتی تھی مگر پھر بھی وہ اسکی ہیروئن بننے کو تیار تھی..... دل و جان سے۔ اور عمر خیام نے بھی ادھر ادھر کی تمام دلچسپیاں جو دل بہلانے کو اختیار کر رکھی تھیں ترک کر کے فرصت کے تمام لمحات سحاب کو دان کرنے شروع کر دیئے۔ وہ وعدہ جو کبھی اس نے اپنے دل سے کیا تھا کہ تہمینہ کی مسند پر وہ کسی کو نہ بٹھائے گا۔ وہ وعدہ پارینہ بن چکا تھا۔ وہ دھنک سے رنگوں میں بسی زندگی جینا چاہتا تھا۔ جیسا کہ وہ تہمینہ کے ساتھ جی چکا تھا۔ اسے ایسی ہی کھلکھلاتی جلترنگ سی ہنسی سیراب کرتی تھی جیسی کہ کچھ سالوں قبل

تہمی کی ہوا کرتی تھی۔ وہ شوخیاں زندہ رکھتی تھیں جو تہمینہ سے پھوٹتی تھیں۔ وہی سرور وہی نشاط جن کا وہ عادی تھا اور اب جس کی کمی اس کو دن بہ دن سحاب سے قریب کرتی جارہی تھی۔

سحاب بھی یہ بات خوب اچھی طرح جان چکی تھی کہ وہ جتنا عمر خیام کی اچھی نبض شناس بنے گی اتنا ہی وہ اس کے گرد رہے گا ورنہ اس جیسے مرد عورت کے آگے اپنے ہوس وحواس آسانی سے گروی نہیں رکھتے۔ کبھی اسے تہمینہ پر رشک بھی آتا کہ سحاب کے ساتھ ہونے کے باجود عمر خیام کے منہ سے کسی بات کا ذکر تہمینہ نام کے ساتھ آتا تو عمر خیام کے لہجے میں مٹھاس سی ہوتی اور وہ نہ ہوتے ہوئے بھی سحاب کو لگتا جیسے وہاں آ گئی ہو۔

عمر اور سحاب کے تعلقات کی نوعیت سے سب ہی واقف ہوگئے تھے۔ عمر خیام کے پروفیشن اور حلقہ احباب میں مرد عورت کا ایک ساتھ کسی جگہ نظر آجانا کچھ عرصہ کے لیے کوئی چونکا دینے والی بات نہ تھی۔ لیکن تواتر سے اگر کوئی مخصوص وجود نظر آتا رہے تو پھر لوگوں کی محفلوں میں ہاٹ ٹاپک وہی ہوتا تھا۔

عمر خیام اور سحاب بھی ہاٹ ٹاپک بن چکے تھے۔ باتیں شہر سے ہوتی ہوئیں عمر کے گھر کی دیواروں کے پار بھی آچکی تھیں۔ تہمینہ اگر جان بھی گئی تھی تو بھی اس نے کبھی کوئی ایسا اشارہ نہ دیا کہ جس سے عمر خیام کو کٹہرے میں کھڑا ہونا پڑتا۔ ہاں یہ جرأت اسکی اولاد نے کی.....ارحم نے! وہ بھی ایسے طریقے سے کہ عمر خیام چپ کا چپ رہ گیا۔

ارحم نے اس کے موبائل پر میسج بھیجا تھا۔

''ڈیڈی ممی پانچ سال سے صرف انی کی ممی بن گئی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ڈیڈی بھی کسی اور کے ہوگئے ہیں۔ پھر میں اور اشہد کس کے ہیں؟؟''

عمر خیام کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرنا چاہ رہا تھا مگر پھر بھی زیادتی کر رہا تھا۔ سب سے پہلے اپنے نفس کے ساتھ، کہ رب سے ناراضگی اور شکوے نے اس کے قدم عافیتوں کی جانب سے پھیر دیے تھے۔ نعمتوں کی شکر گزاری کے بجائے آزمائش پر خودسری کا رویہ اپنے آپ پر ظلم وزیادتی ہے۔ بیوی کے ساتھ اسکے رویہ میں محبت سے زیادہ ترحم آچکا تھا۔ ارحم، اشہد کے ساتھ وقت گزارے اسے کئی کئی دن بیت جاتے۔ اسے یاد تھا تو محض اتنا کہ اس کے گھر میں اسکی اولاد ابنارمل ہے جس کو دیکھ کر اسے اپنا دل کرچی کرچی ہوتا لگتا ہے۔ اسے خیال تھا تو بس اتنا کہ وہ اشہد، ارحم، انعمت اور تہمینہ کو کسی بھی قسم کی مادی سہولیات کی کمی نہ ہونے دے، جس کے لئے وہ خوب فراخی سے خرچ کرتا تھا۔ ''خیر الرازقین'' اسے نواز بھی خوب رہا تھا..... بے تحاشہ، بے حساب۔

بیٹے کے سوال نے اس کے اندر فوری طور پر سناٹے اتار دیئے۔ ''میں اور اشہد کس کے ہیں؟؟'' سوال کی بازگشت اسے ہر طرف سے ابھرتی

لگنے لگی۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ دونوں، تہمینہ اور انعمت سب اسی کا حصہ ہیں۔اس میں وہ سب سانس لیتے ہیں مگر وہ جانتا تھا یہ کہنا بے کار ہے۔اس کا چودہ سالہ بیٹا کبھی یقین نہیں کرے گا کہ وہ اپنے باپ کے خوابوں کا جز ہے۔ اس کے کتنے ہی ارمان اس سے، اس کے بھائی سے جڑے ہیں، کتنی حسرتیں اسکو کھاتی جارہی ہیں۔ وہ انکو بھولا نہیں بس اپنی ویران ہوتی آرزؤں اور ضرورتوں کو جو اسے نگل رہی ہیں۔ پورا کرنا چاہ رہا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو ان سب کے لئے بھی مسائل کھڑے ہوجائینگے۔ منتشر اور ناآسودہ شخص معاش کی دوڑ میں بھی قدم نہ جما سکے گا، اور پھر ان سب کی زندگیوں میں مزید پیچیدگیاں پیدا ہوجائیں گی، وسائل کی کمی سے یہ کمزور پڑتا تعلق بالکل ہی ٹوٹ جائے گا۔سو پیسے کی فراوانی سے وہ ان کو اپنے ساتھ جوڑے رکھنا چاہ رہا تھا۔ لیکن بیٹے کو کیا بتائے۔ وہ آزردہ ہوگیا۔''تم دونوں عمر خیام کی جان اور تہمینہ کی سانسیں ہو'' اس نے یہ جملہ جواب میں لکھ کر بھیج دیا۔ وہ کچھ بھی صفائی پیش کرتا سب لاحاصل تھا اور بالکل بھی کچھ نہ کہتا وہ بھی ناممکن۔

عمر خیام کے سامنے بیٹھی سحاب نے اس کے چہرے پر آنے والے تناؤ کو افسردگی کو، آنکھوں میں کچھ دیر قبل ابھرنے والی چمک کو ماند پڑتے دیکھ لیا تھا۔ کیا تھا ایسا اس میسج میں جسے پڑھتے ہی یہ خوبصورت لمحات بوجھل ہوگئے تھے۔ وہ اس وقت سمندر کے کنارے بنے خوبصورت ریسٹورنٹ میں لنچ کررہے تھے۔ شیشے کے اس پار نظر آتا نیلگوں سمندر بے حد پرسکون لگ رہا تھا۔ ورکنگ ڈے کی بنا پر شہر کے آخری سرے پر واقع اس ریسٹورنٹ میں رش بالکل بھی نہ تھا۔ ماحول میں خوشگواریت سی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح عمر خیام کی سنگت میں بے حد خوش باش اور مگن تھی۔ عمر خیام جس نے دنیا کو برت رکھا تھا، اس کے ساتھ آج صبح کا منظر جو اسے مضمحل کرچکا تھا بھلانے آیا تھا۔

انی کو پھر کسی چیز سے الرجی ہوگئی تھی۔ جلد پر زیادہ کھجانے سے زخم کی سی کیفیت لگنے لگی تھی۔ تہمینہ اس پر دوائی لگاتے ہوئے گھنٹوں سے اسکے ساتھ مصروف تھی۔ رات عمر نے بیوی کے دونوں گالوں پر آنسو ٹکے دیکھے تھے۔ وہ آنسو تو ہمیشہ کی طرح اس نے نرمی سے پونچھ ڈالے تھے مگر اس وقت اس کے چہرے پر پھیلی تکلیف اور اس سے زیادہ انعمت کا درد دیکھ کر اس کا دل چاہا کہ وہ فوراً گھر سے چلا جائے۔''اللہ مہربان ہوتا تو مجھے اور میرے گھر والوں کو کبھی اتنی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔'' وہ ایک بار پھر رب سے خوب ناراض ہوگیا۔

''کیا ہوا سب ٹھیک تو ہے نا؟''

سحاب نے بمشکل آواز میں نرمی رکھی، ورنہ وہ خاصی بدمزہ ہوگئی تھی، عمر خیام کے تاثرات سے اسے اندازہ ہوچکا تھا کہ وہ خوبصورتی جو کچھ دیر قبل وہ محسوس کررہی تھی، اس لنچ پر لوٹ کر نہیں آئے گی۔ اسکے

ساتھ والہانہ انداز میں باتیں کرتا عمر سنجیدہ سا ہو چکا تھا۔

''تم مجھ سے اس سال کی کونسی تاریخ کو شادی کر سکتی ہو؟''

کھانا کھا کر نیپکن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے عمر خیام نے نہایت عام سے انداز میں نہایت خاص سا سوال کیا تھا اسکی طرف دیکھتی سحاب بے اختیار سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ سوال بے حد غیر متوقع تھا۔ یہ ٹھیک تھا کہ وہ عمر خیام کے لئے اسی انتہا تک سوچتی تھی لیکن بنا تمہید اچانک یوں یہ سوال وہ بھی بوجھل سے لمحات میں سامنے آئے گا، اسے بوکھلا گیا۔

''جب آپ کہیں عمری۔'' فوری طور پر اس کے منہ سے یہ ہی نکلا۔

''ابھی اسی وقت کر سکتی ہو؟''

عمر خیام نے براہ راست اسکی آنکھوں میں جھانکا تو وہ سوال کی طاقت ور لہروں سے بوکھلا کر کرسی سے کھڑی ہو گئی۔ نہایت اطمینان سے بیٹھے عمر خیام نے اس کو غور سے دیکھا اور پھر خود بھی کھڑے ہو کر ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کر دیا۔ کچھ دیر بعد وہ آگے پیچھے چلتے ہوئے کار میں بیٹھ چکے تھے..... بنا کچھ بولے، بنا کچھ کہے۔ وہ نہیں جانتی تھی عمر خیام گاڑی کدھر لے جا رہا ہے۔ کچھ دیر بعد اس نے موبائل نکال کر ایک دو کالیں کیں۔ جو سحاب کے لئے نا قابل فہم تھیں۔ اگلے گھنٹہ بھر بعد وہ ایک عمارت میں عمر خیام کے ساتھ داخل ہو رہی تھی۔ ان کے درمیان ابھی تک کوئی بات نہ ہوئی تھی۔ عمر اترا تو وہ بھی اتر کر اس کے پیچھے چل دی۔ رہائشی علاقے میں غالباً کسی کمپنی نے اپنا آفس قائم رکھا تھا۔

''عمر خیام یہاں کیوں آیا ہے؟'' سحاب الجھن میں تھی۔ مختلف راہداریوں سے گزرتے ہوئے وہ دونوں ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ کمرے میں بیٹھے لوگ جیسے ان کے ہی منتظر تھے۔ ان کے دیکھنے کا انداز سحاب کو پسند نہ آیا لیکن وہ چپ تھی کہ آخر عمر یہاں کیوں آیا؟

''ہاں جی کس نے نکاح پڑھانا ہے؟'' عمر خیام کا جملہ سن کر سحاب کے پاؤں تلے زمین کھسکنے لگی۔

''تو کیا عمر خیام مجھے استعمال کرنے کیلئے خفیہ شادی کر رہا ہے؟'' اس کے ذہن میں آنے والے سوال نے اسے ہراساں کر دیا۔

''کیا مطلب کیا ہم یہاں شادی کرنے آئے ہیں؟'' اس نے عمر کی طرف غصے سے دیکھا۔ اس کے اس سوال پر وہاں بیٹھے کچھ لوگوں کے چہروں پر استہزائیہ قسم کی مسکراہٹ آ گئی۔

''یہ نکاح پڑھائینگے!'' ایک نے اپنے ساتھ بیٹھے ذرا سنجیدہ سے شخص کی طرف اشارہ کیا۔

ٹھیک ہے کوئی بھی پڑھا دے۔'' عمر خیام نے اتنی سہولت سے یہ جملہ کہا کہ سحاب کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا کہ جو کچھ اس نے سنا ہے وہ صحیح ہے۔''

میں اس طرح شادی نہیں کر سکتی عمر!''

''شادی کے لئے مولوی کی ضرورت نہیں ہوتی کوئی بھی نکاح پڑھا سکتا ہے بی بی'' اس سنجیدہ چہرے والے نے مدبرانہ لہجے میں کہا۔

سحاب نے جواب دینے کے بجائے تیزی سے مڑ کر دروازے سے باہر قدم بڑھا دیئے۔اس کا سر چکرا رہا تھا۔ حیرت انگیز طور پر تمام راہداریاں خالی تھیں۔ نہ اسے جاتے ہوئے کوئی ملا تھا اور نہ نکلتے ہوئے۔ ہاں کمپنی کا بورڈ ضرور اس عمارت کے باہر لگا تھا۔ وہ دوڑتی ہوئی باہر آ چکی تھی۔ کسی نے بھی اس کو روکنے یا پکڑنے کوشش نہ کی تھی۔ وہ عمر خیام سے شادی کرنا چاہتی ضرور تھی مگر اسطرح خفیہ نہیں۔ خفیہ شادیوں کے بھیانک قصے اس نے پڑھ رکھے تھے وہ عمر خیام سے فیض اٹھانا چاہتی تھی مگر دنیا کے سامنے سر اٹھا کر فخر کے ساتھ اس کے ہم قدم چلتے ہوئے.....ایسے نہیں کہ وہ عمر خیام کے بیڈروم میں رکھا نعمت کدہ بن جائے جس کا علم کسی کو بھی نہ ہو۔ وہ عمر خیام کی دائیں ہاتھ کی انگلی میں پہنی نیلم کی وہ انگوٹھی بننا چاہتی تھی، جسے دنیا عمر خیام کے ساتھ ہمیشہ دیکھتی تھی، جسے وہ اپنے پروفیشن کے لئے نیک شگون تصور کرتا تھا۔ اتنے چپ چپاتے شادی کا اس نے تصور کبھی نہیں کیا تھا، وہ بھی اس صورت میں اگر ممی ڈیڈی نہ مانیں۔ابھی تو اس نے ان سے اس موضوع پر بات ہی نہ کی تھی۔ بیس برس نے تیس برس کا سا فیصلہ کیا تھا۔ مگر دل عمر خیام کا ری ایکشن سوچ کر بیٹھا جا رہا تھا۔

''کیا وہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے جدا ہو جائے گا؟ کیا وہ ناراض ہے؟ کیا مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا؟''

تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے وہ کسی سواری کی تلاش میں تھی۔ یہ پوش علاقہ تھا۔ بڑے بڑے پلاٹوں پر بنگلے بنے تھے۔ یہاں عوامی سواری کا دور دور تک کوئی اتا پتہ نہ تھا۔ وہ نہ ہراساں تھی اور نہ خوفزدہ، اس بنگلے سے باہر آتے ہی اس کے اعصاب جو تنے ہوئے تھے نارمل ہو گئے تھے۔ اب اگر اسے کوئی پریشانی تھی تو صرف عمر خیام کے آئندہ رویے کے حوالے سے۔ عمر کہاں تھا؟ اس نے اسے روکنے یا پکارنے کی کوئی بھی کوشش کیوں نہ کی؟ وہ سوچتی جا رہی تھی۔

دقتوں سے گھر پہنچتے ہی وہ بے دم سی ہو کر بستر پر گر گئی۔ ماں باپ کے گھر آنے میں ابھی وقت تھا۔ اپنے کام کے اوقات اور کالج سے واپسی پر بیٹی کا اکیلا پن دیکھتے ہوئے دونوں نے گھر کا نچلا حصہ کرایہ پر دے کر اوپری منزل میں رہائش اختیار کر لی تھی تاکہ اسے کوئی پریشانی نہ ہو۔ میٹرک کرنے تک اسکول وین اسے نانی کے ہاں واپسی میں چھوڑا کرتی تھی جہاں سے ماں باپ شام کو گھر لوٹتے اسے پک کر لیا کرتے تھے۔ گو سحاب کی ماما نے گھر والوں کی پسند کے خلاف شادی کی تھی لیکن انہوں نے اس سے ناطہ نہ توڑا تھا۔ جب سحاب اور نوکری انکی بیٹی کے لئے مسئلہ بنی تو سحاب کی نانی نے بخوشی اس کو اپنے پاس رکھ لیا۔ اس گھر میں بھی

کون تھا۔ نانا نانی اور ایک بوڑھی خادمہ۔ ماموں کو بھی کسی امریکن کمپنی میں جاب آفر ہوئی تو وہ اپنی فیملی سمیت وہاں منتقل ہو گئے۔ اولاد میں سے کسی نے پلٹ کر نہ دیکھا کہ وہ شجر جن کے سایہ میں وہ پل کر جواں ہوئے تھے ان کے بعد کس عالم میں رہ جائینگے۔ جہاں سحاب کی ماما نے مرضی چلانی تھی وہاں انہوں نے چلائی بنا خواہشات کے احترام کے، اور جہاں اس کے ماموں کو موقع ملا وہاں انہوں نے اپنا سوچا۔

سحاب بھی ان کا خون تھی۔ اس میں بھی بغاوت کے رجحانات تھے۔ اگر عمر خیام سے اس لمحہ نکاح نہ کیا تھا تو اس میں ماں باپ کی عزت سے زیادہ اپنے بے مول ہونے کا خیال حاوی تھا۔ کیا ہوتا اگر کل کلاں وہ کہہ دے کہ سحاب اسکی بیوی نہیں صرف دوست ہے۔ اپنی متاع حیات بھی اس پر نچھاور کر کے وہ خالی دامن رہ جاتی۔ بس یہ سوچ اسکو روک گئی اور وہ عمر خیام کی منکوحہ نہ بنی۔ کون تھا میرا گواہ جو کہتا سحاب عمر خیام کی بیوی ہے۔ سب ہی عمر خیام کے آدمی تھے۔ وہ بڑے حقیقت پسندانہ انداز میں سوچ رہی تھی۔ جانتی نہ تھی کہ اللہ نے بھی عورت کی حفاظت کے لئے ولی کا ہونا شادی کے لئے ناگزیر قرار دیا ہے۔

جذباتیت کی عمر میں ایسی سوچ دس سال نانا نانی کی صحبت میں بن گئی تھی۔ بوڑھے نانا نانی نے زمانے کے سرد و گرم باتوں باتوں میں اسے خوب سمجھا دیئے تھے۔ اپنی تجرباتی زندگی کے راز اس پر نچھاور کرتے جنہیں وہ بے توجہی سے سنتی لیکن کونوں میں پڑی یہ آوازیں اس کے لاشعور میں اتر کر اسکی سوچ کا رخ متعین کرتی رہتیں۔ نانی کے ہاں سب کچھ تھا۔ ٹی وی سے لے کر گٹار تک۔ بہترین میوزک سسٹم بھی موجود تھا، بس جوان انسان نہ تھے۔ جو یہ سب استعمال کرتے۔ ماموں بڑے شوقین آدمی تھے۔ بہت کچھ انہی کا تھا جسے اب سحاب بلا روک ٹوک استعمال کر سکتی تھی۔ لیکن اسے ان چیزوں سے زیادہ زندہ چلتے پھرتے انسانوں سے بات کرنے میں مزہ آتا تھا۔ یوں بیس برس کی عمر تک پہنچتے پہنچتے اس کی سوچ میں بہت پختگی آ گئی تھی۔ عمر خیام کے ساتھ بھی وہ اس لئے ہی سیٹ ہو گئی تھی کیونکہ اس کی باتوں میں بچگانہ پن نہ تھا۔ وہ شوخی پر آتی تو بھی عمر کا الہڑ پن اس میں نہ جھلکتا۔ وہ دیکھنے میں کم سن مگر رویوں میں کم فہم قطعاً نہ تھی۔

عمر خیام کو نکاح کے عین لمحہ پر اس کا لوٹ جانا خاصا طیش دلا چکا تھا۔ اس نے سحاب کے دعوے پر ہی سارے انتظامات کیے تھے۔

''کیسے یقین سے کہہ رہی تھی سال کے کسی بھی دن شادی کر لیں۔ ہنہ''

عمر خیام کو اپنے دوستوں میں بھی خاصی خفت اٹھانی پڑی تھی جنہوں نے اس کے کہنے پر کرائے کے گواہان اور نکاح پڑھانے کے لئے کسی آدمی کا فوری بندوبست کیا تھا۔

''جگر تو تو وائے تھا جسے لایا تھا وہ بھی وائے تھی۔''

اس کے دوست نے قہقہہ لگاتے ہوئے سحاب کے جملے دہراتے ہوئے عمر خیام کے کندھے پر ہاتھ مارا تو وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

''شوق جنوں میں، ایسا ہو گیا حال، لکھ لکھ کے تیرا نام، وہ خود ہی مٹا گئی۔''

دوسرے نے لہک کر کسی شعر کے مصرعہ کو سچویشن کے مطابق ڈھالتے ہوئے گنگنایا تو عمر خیام کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ آ گئی۔

''یہ لو تمہارے گواہان کا کرایہ!'' اس نے ایک لفافہ اپنے دوست کی جانب بڑھایا۔'' لگتا ہے ایک مرتبہ اور یہ پیسے خرچ کرنے پڑینگے۔'' ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہ بولا تو دونوں دوست ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس پڑے۔

''یار ایسے ہی دوستی رکھ لے کیوں شادی کا جھنجھٹ پال رہا ہے۔ اپنی بیوی کے سر پر ایک اور غم کھڑا کر رہا ہے۔ پہلے ہی وہ تیری پاگل بیٹی کے ساتھ مصروف رہتی ہے۔''

لفافہ جیب میں رکھتے ہوئے دوست نے یہ بات عمر خیام سے مخلصانہ انداز میں کہی تھی لیکن پاگل بیٹی کا لفظ اس کے ماتھے پر ناگواری کی شکنیں ڈال چکا تھا۔ وہ اس کی اولاد تھی، نارمل نہ ہونا حقیقت تھی لیکن کوئی اس کے سامنے اسکی بیٹی کو پاگل کہہ کر مخاطب کرے یہ اسے گوارہ نہ تھا۔ دوست نے بھی ناگواری بھانپ لی اور ایک آدھ بات کر کے دونوں دوست ساتھ ہی رخصت ہو گئے۔

سحاب سے اس واقعہ کے بعد سے اس کا رابطہ نہ ہوا تھا۔ اس کا فون آتا بھی تو وہ نہ اٹھاتا۔ وہ ان مردوں میں سے تھا جنکے اعصاب عورت کے معاملہ میں خاصے مضبوط ہوتے ہیں، حسن کی رعنائیاں ہوں یا اداؤں کے تیر.....نشانے اکثر ہی خطا ہو جاتے ہیں۔ ہاں وہ جب چاہیں مہربان ہونا تو رعنائیاں اور جلوے سب ہی سحر کرنے لگتے ہیں۔ سحاب نے اپنی سی کوشش کر لی لیکن عمر خیام نے پلٹ کر اس کی طرف توجہ نہ کی، وہ اس کو خوب اچھی طرح احساس دلانا چاہتا تھا کہ جو اس نے کیا وہ انتہائی احمقانہ فیصلہ تھا جسکی قیمت اسے ادا کرنا ہوگی.....عمر خیام کی جدائی کی صورت میں!

دراصل وہ خود بھی بے حد مصروف تھا۔ کسی انٹرنیشنل مقابلہ میں شرکت کے لئے اسے اپنا پورٹ فولیو اور تصاویر دیئے گئے موضوعات کے حوالے سے بھیجنا تھیں۔ اگر وہ اس مقابلہ میں بیسٹ ٹین فوٹو گرفراز میں آ جاتا تو اس کے کیریئر کو کتنے چاند ستارے لگتے، یہ سوچنا ہی فرحت انگریز تھا۔ اتنا دلنشین کہ وہ سحاب اور تمام دلچسپیاں بھول کر محض اس دھن میں تھا کہ اس مقابلہ میں کوئی نمایاں پوزیشن حاصل کر لے۔ جو ناممکن تو نہ تھا مگر ممکن کرنے کے لئے محنت اور قسمت دونوں کا ہاتھ پکڑنا ضروری تھا۔

اس دن اپنے گھر میں داخل ہوتے ہی اسے غیر معمولی خاموشی کا احساس ہوا۔ شور تو نہ ہوتا تھا لیکن

اتنا گھمبیر سناٹا بھی نہ ہوتا تھا جتنا اس وقت تھا۔ رات کے نو بجے تھے، وہ آج نسبتاً خوشگوار موڈ میں کچھ دیر پہلے ہی گھر آ گیا تھا۔ راستے میں سے اس نے دونوں بیٹوں کی پسند کا جنک فوڈ بھی خریدا تھا، وہ ایک اچھا سا ڈنر بیوی بچوں کے ساتھ کرنا چاہتا تھا، عموماً! اس کی واپسی کافی عرصے سے اتنا لیٹ ہونے لگی تھی کہ اس کے گھر لوٹنے تک سب اپنے بیڈروم میں ہوتے تھے۔ رات دیر تک جاگنے کا کلچر ابھی تک اس گھر میں نہ آیا تھا۔ اس کے دونوں بیٹے خاصے پڑھا کو قسم کے تھے۔ ابتدائی کلاسوں میں تہمینہ کو ہمیشہ بیسٹ مام کا خطاب ان کے اسکول سے ہر سال ملا کرتا تھا۔ بڑھتی ہوئی عمر میں گھر کے ایسے ماحول نے جہاں ماں کو ایک ابنارمل بہن کے ساتھ خاصا مصروف رکھا ہو، اور باپ میں ماں کی عدیم الفرصتی نے اثرات ڈال دیئے ہوں، ارحم اور اشہد میں شوخی کے بجائے سنجیدگی بھر دی تھی۔ ماں اور باپ دونوں ہی اپنے اپنے طور پر بیٹوں کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے مگر گھر کا وہ فطری سا ماحول بن ہی نہ پایا تھا۔ جو مزاج میں پارہ بھرتا ہے، شفقت میں مضبوطی پیدا کرتا ہے، نئے نئے ساحلوں کو کھوجنے کا حوصلہ دیتا ہے۔ انکے زیادہ دوست بھی نہ تھے، وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے سب سے اچھے دوست تھے۔ اس گھر میں اب لگتا تھا ہر کوئی اپنے اپنے علیحدہ مدار میں تیر رہا ہے۔ بظاہر ایک ساتھ مگر جدا جدا۔ عمر خیام کو اس کیفیت کا پورا احساس تھا مگر وہ اس خلا کو جو بچوں میں پنپ رہا تھا بھرنے میں ناکام تھا۔ خود اس کے اپنے اندر پیاس کے صحرا اگ آئے تھے۔ تہمینہ ماں تھی، گھلتی جا رہی تھی لیکن اولاد پر اپنے آپ کو نچھاور کر رہی تھی۔ قدرت نے اپنی محبت میں سے جو جز ماں کے اندر اپنی مخلوق کی محبت و چاہت سے پرورش کے لئے انڈیلا ہے وہ بھی اسی قانون کے تحت انعمت کے ساتھ جان ماری کرتی تھی۔

عورت اور مرد کی فطری تخلیق میں ہی فرق ہے۔ اسی حساب سے جذبات، نفسیات اور ضروریات میں بھی، تہمینہ عمر خیام کی کمی محسوس کرتی تھی مگر انعمت کی دیکھ بھال اسے کچھ رنگین جذبے سجانے کو موقع ہی نہ دیتی، جبکہ عمر خیام کے لئے چاہت کی کہکشاں میں سناٹا مضطرب کر چکا تھا۔ وہ مرد تھا اسکی طلب میں عورت کی طلب میں قدرتی فرق تھا۔ نہ عورت کا کمال ہے اور نہ مرد کا قصور۔ ساری بات موجودہ وقت کی زبان میں Default setting کی ہے۔ عمر خیام کے مزاج میں بڑی رومانیت تھی جس سے تہمینہ بخوبی آگاہ تھی۔ وہ اس کی مزاج آشنا بھی تھی اور دلربا بھی۔ عمر خیام نے بھی پوری ایمانداری سے اسکی قدر کی تھی۔ اس سے محبت کی تھی اور اسے چاہا تھا۔ اس نے گزشتہ برسوں میں عمر خیام کو اپنا اتنا عادی کر لیا تھا کہ اب تہمینہ کی کمی نے اسے آہستہ آہستہ مضمحل کرنا شروع کر دیا تھا۔

جب منفی اثرات اس پر آنے لگے تو اس نے دل بہلانے کے لئے ادھر ادھر دلچسپیاں بڑھائیں۔ اس

کے پاس پیسہ تھا اور شہر میں نازنینیں ۔ پھر سحاب اس طرح آئی کہ بس وہ ہی رہ گئی۔آج کل وہ بھی نہ تھی،تو اسے بڑے عرصے بعد تہمینہ کے لئے گجرے لینے یاد آئے۔سالوں پرانی خوشبو یاد آئی جو ہر رات اسکے بستر کے سرہانے سے اٹھتی جہاں وہ گجرے اتار کر رکھا کرتی تھی۔بچوں کے لئے کھانے پینے کا سامان اور پھول تھامے وہ پورے گھر کے کمرے دیکھ رہا تھا۔ پینٹ ہاؤس کی ڈپلی کیٹ چابی استعمال کرتے ہوئے وہ اندر آیا تھا اور بڑے اچھے موڈ میں وہ بیوی بچوں کے ساتھ وقت گزارنا چاہتا تھا مگر گھر کا سناٹا پریشان کن تھا۔تہمینہ کا سیل نمبر پنچ کرتے ہوئے کئی طرح کے خوف اور اندیشے انعمت کے حوالے سے آ گئے تھے۔

وہ چلتا ہوا کچن تک آ گیا۔ ہاتھ میں سامان میز پر رکھتے ہوئے اس کی نگاہ فرش پر جم گئی۔تہمینہ نے اسی وقت فون اٹھالیا۔

''انعمت خیریت سے ہے؟'' وہ کھوئے کھوئے انداز میں تھا۔نگاہ فرش پر تھی۔

''انعمت تو خیریت سے ہے لیکن اشہد خیرت سے نہیں۔'' تہمینہ کے جواب نے سے سہادیا۔

''کیا ہوا اشہدکو؟ کہاں ہو تم لوگ؟'' وہ بوکھلا چکا تھا مگر اسکی نگاہ بدستور فرش پر ہی تھی جہاں کرچیاں پھیلی ہوئی تھیں۔

تہمینہ نے کوئی تفصیل بتانے کے بجائے ہسپتال کا نام اور وارڈ بتا کر فون منقطع کر دیا۔

تیز رفتاری سے گاڑی بھگاتا ہوا وہ ہسپتال پہنچا تو مضبوطی سے کھڑی تہمینہ اسے دیکھتے ہی جیسے ڈھے سے گئی۔اشہدکو ڈاکٹر آئی سی یو میں لے جا چکے تھے۔

''بالکل ٹھیک تھا میرا بیٹا.....'' وہ روتی جارہی تھی اور بتاتی جارہی تھی۔اتنے میں اسے اپنا بھائی احتشام اور ارحم نظر آئے جو کسی ڈاکٹر سے کچھ بات کررہے تھے۔شاید اشہد کا پوچھ رہے تھے۔

''میں نے تم کو اتنا فون کیا عمر مگر تم نے فون ہی آف کر رکھا تھا.....پھر میں نے احتشام کو فون کیا۔'' تہمینہ کی رندھی آواز اور آنسو اسکو خوب شرمندہ کررہے تھے۔

''اشہد کیسا ہے اب؟'' اس نے تیز تیز قدم اٹھا کر پہنچتے ہوئے ڈاکٹر سے پوچھا تو اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں اشہد کا والد ہوں'' عمر خیام نے اسکی نظروں کا مطلب سمجھتے ہی اپنا تعارف کروایا۔

''اشہد فی الحال ہوش میں نہیں ہے۔مختلف ٹیسٹ ہورہے ہیں۔ بظاہر تو اسکو گرنے سے ایسی کوئی چوٹ نہیں آئی جس سے وہ زخمی ہوتا۔''

''مگر ڈاکٹر وہ گرا کیوں؟'' عمر خیام نے ڈاکٹر کی بات کے درمیان ہی سوال کیا تو اس کے ابرو تن گئے۔'' یہ بھی ٹیسٹ کے بعد ہی پتہ چلے گا۔'' خشک لہجے میں کہتا ہوا وہ وہاں سے ہٹ گیا۔

''یہ ڈاکٹر بھی عجیب ہوتے ہیں۔ اپنے آپ کو

خدا سمجھتے ہیں۔ بات بات پر ناراض ہونے والے۔''

''آپ نے الرحمٰن الرحیم کو انسان کی کج خلقی کے ساتھ ملا کر اچھا نہیں کیا۔'' اس کی بڑبڑاہٹ قریب سے گزرتے ہوئے کسی نے سنی تو رک کر نرمی سے عمر خیام کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''سر رب تو بڑی محبت کرنے والا ہے، ناراض تو وہ بہت دیر میں ہوتا ہے، رب اور انسان کا کیا مقابلہ!''

عمر خیام نے نہایت ناگواری سے یہ بے وقت کا درس سنا اور چہرہ گھما کر کچھ سخت کہنے کیلئے منہ کھولتا تھا مگر فوراً ہی ارادہ بدل دیا۔ سامنے ابوذر تھا جس کے چہرے پر شناسائی کے تاثرات تھے۔ وہی ابوذر جو دو برس قبل رمضان میں انصاری صاحب کے ہاں افطار پارٹی میں درس دے رہا تھا۔

''میں اس ہاسپٹل میں ڈاکٹر ہوں عمر خیام صاحب!'' اس نے عمر کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اپنے بارے میں بتا دیا۔ اس کی خوبصورت آنکھیں مسکرا رہی تھیں اور حلیہ روایتی کوالیفائڈ ڈاکٹرز سے خاصا مختلف تھا۔ عمر خیام سے اس نے اسکی موجوگی کی وجہ جاننے کے بعد اس کے بیٹے کی خیر خیریت کے حوالے سے بھرپور تسلی دی۔ شکر ہے یہ وقت میرے گھر جانے کا ہے ورنہ آپ سے اتنی سہولت سے بات نہ ہو پاتی۔ ابوذر پھوار سے لہجے میں کہتا ہوا عمر خیام اور تہمینہ کی خاصی ڈھارس بندھا گیا تھا۔

''ایک یہ بھی ڈاکٹر ہے، اتنا وقت اپنا خرچ کر کے گیا بغیر فیس اور بغیر تیوریوں کے بل۔''

(جاری ہے)

☆☆☆

دو گناہ گار عورتیں

واعلہ زوجہ نوحؑ، والھہ زوجہ لوطؑ

یہ دونوں کافر و نافرمان عورتیں تھیں۔ جنہوں نے کافر وضدی اقوام کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر حق کا مقابلہ کیا، دعوتِ توحید کا مذاق اڑایا اور حضرت نوحؑ اور لوطؑ کو بے تحاشہ اذیت دی اور آخر کار دردناک انجام کو پہنچیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کافروں کیلئے نوحؑ کی بی بی اور لوطؑ کی بی بی کا حال بیان کرتا ہے وہ دونوں ہمارے خاص بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں۔ سو ان عورتوں نے ان دونوں بندوں کا حق ضائع کر دیا تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلہ میں ان کے کام نہ آ سکے۔ ان دونوں عورتں کو بوجہ کافر ہونے کے حکم ہو گیا کہ اور جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی دوزخ میں جاؤ۔ (سورۃ التحریم۔10)

واعلہ، حضرت نوحؑ کی بیوی:

جب روئے زمین پر بت پرستی شروع ہوگئی۔ لوگوں کے کئی خدا معرض وجود میں آ گئے اور شریعت کفر و گمراہی کے اندھے راستے پر چل پڑی تب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو پھر سے صحیح راستے پر لا سکیں۔

مورخین کے مطابق حضرت آدمؑ کے زمین پر اتارے جانے کے دوسرے ہزارویں سال نوحؑ کو بھیجا گیا تھا۔ اس وقت ان کی قوم میں گناہ وبا کی صورت میں پھیل گئے تھے۔ بتوں کی پرستش کے ساتھ ساتھ لوگ کھلم کھلا اپنے فسق و فجور اور نافرمانی کا اظہار کرنے لگے تھے۔ ظالم اور ہٹ دھرم لوگوں کی کثرت تھی۔ کسی نبی کو اپنی قوم کے ہاتھوں اتنی اذیت نہیں پہنچی جتنی نوحؑ کو اپنی قوم کے ہاتھوں پہنچی۔ وہ لوگ ان کے ساتھ نہایت بدتمیزی سے پیش آتے اور اپنی مجالس سے انہیں دھکے مار کر باہر نکال دیتے۔ ان پر آوازیں کستے، ان کا مذاق اڑاتے۔

حضرت نوحؑ جب اپنی قوم کے کسی شخص سے بات کرتے تو وہ کپڑے سے اپنا منہ سر لپیٹ کر اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتا تا کہ انکی کوئی بات نہ سن سکے اور جلدی سے اٹھ کر چل دیتا اور کہتا چلو چلو یہ آدمی جھوٹا ہے یہ دیوانہ ہے۔ یوں نسلوں پہ نسلیں گزرتی چلی گئیں مگر ہر آنے والی نسل پچھلی سے زیادہ خبیث اور ہٹ دھرم ہوتی۔ قوم نوحؑ کے کسی شخص کا موت کا وقت قریب آ جاتا تو وہ اپنے بچوں کو وصیت کر کے مرتا کہ خبردار اس دیوانے سے ہوشیار رہنا لوگوں کی ہلاکت اسی کے ہاتھوں ہوگی۔

نوحؑ کو جھٹلانے والوں میں انکی بیوی واعلہ بھی شامل ہوگئی اوراس قافلے کے ساتھ چل پڑی وہ ان کی بولی بولتی، ان کی ہاں میں ہاں ملاتی۔ لوگوں کو یہ کہتی پھرتی کہ یہ شخص دیوانہ ہے اسے عقل نہیں ہے۔ یہ ایسی باتیں کرتا ہے کہ جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ یہ ایسی چیزوں کے بارے میں باتیں کرتا ہے جو ناممکن ہیں اور دعویٰ کرتا ہے کہ یہ بت نفع اور نقصان پہنچانے سے قاصر ہیں۔ نوحؑ کا کوئی ساتھی اگر ایمان لے آتا اور انکے نورانی قافلے کا ساتھی بن جاتا تو انکی بیوی فوراً حرکت میں آجاتی اور اپنی قوم کے ظالم وجابر لوگوں کو جا کر اطلاع دیتی تاکہ وہ مار پیٹ کے ذریعے اسے اسکے دین سے پھیر دیں اور مختلف طریقوں سے بہلا پھسلا کر گمراہ کردیں۔ وہ عورت اپنی پوری کوشش میں تھی کہ نوحؑ کی جدوجہد کو ناکام بنادے۔ وہ انکی ہر ہر بات کی خبر رکھتی اور کافروں کو اطلاعات پہنچاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام بدبختوں اور محروم لوگوں میں لکھ لیا۔ یہ وہ عورت تھی جو دین کے معاملے میں خاوند کی خیانت کی مرتکب تھی۔ اسکی خیانت زناکاری نہیں تھی۔ وہ لوگوں سے کہتی پھرتی کہ یہ مجنوں ہیں۔

حضرت نوحؑ نے ساڑھے نوسو سال تک تبلیغ کی مگر سوائے 80 لوگوں کے باقی سب کفر کی روش پر قائم رہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ نوحؑ کی بیوی تبلیغ میں شوہر کا ساتھ دیتی، انکی ہمت بندھاتی، احکامِ خدا لوگوں تک پہنچانے میں انکی پوری پوری مدد کرتی۔ مگر اس نے نافرمانی کی اور اسکی بدبختی اسپر غالب آگئی۔ اس نے اپنے بیٹے کنعان کو بھی بہکایا اور وہ بھی کفر وضلالت کی راہ پر گامزن ہوگیا اور دین ومذہب میں اپنے باپ کی مخالفت کرنے لگا۔ واعلہ اکثر دینی امور میں نوحؑ سے بے تکی بحث کرتی اس کا بات کرنے کا انداز بے تکا اور تمسخرانہ ہوتا۔ نوحؑ کے لاکھ سمجھانے کے باوجود وہ باز نہ آئی۔ ایک روز بحث کے دوران حضرت نوحؑ نے اسے خدا کے عذاب سے ڈرایا تو وہ کہنے لگی ''خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔'' نوحؑ نے کہا ''بالکل کریگا۔'' وہ بولی'' آخر کب؟'' نوحؑ نے کہا'' جب زمین سے پانی ابلنا شروع ہوگا۔'' تو وہ باہر نکل کر اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے بولی'' اے میری قوم کے لوگو! خدا کی قسم یہ آدمی دیوانہ ہے، دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا خدا تب تک اسکی مدد نہیں کرے گا جب تک زمین سے پانی ابلنا شروع نہیں ہوجائے گا۔''

اسکے بعد تو اسکی قوم نے انکی اذیتوں میں اور زیادہ اضافہ کردیا انہیں پہلے سے زیادہ تنگ کرنے لگ گئے۔ انہیں جھٹلایا، مارا اور ایک دن وہ سجدہ میں تھے تو مار مار کر لہولہان کردیا۔ اس وقت انہوں نے سجدہ میں پڑے پڑے اللہ کو پکارتے ہوئے دعا کی۔ اس دعا کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

ترجمہ: اے میرے پالنے والے تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو یہ تیرے اور بندوں کو بھی گمراہ کردیں گے اور انکے

ہاں جو بال بچے ہوں گے وہ بھی بدکار اور ناشکرے ہوں گے۔(سورۃ نوح 26-27)

اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول کی اور انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا:

ترجمہ:سوجو کچھ یہ لوگ (کفر وایذا واستہزا) کررہے ہیں اسپر کچھ غم نہ کرو۔(ہود۔36)

اب اللہ تعالیٰ نے انہیں بتا دیا کہ وہ انکی قوم کو عذاب دے کر ہلاک کرنے والے ہیں انہیں سیلاب میں غرق کردیا جائے گا اور نوحؑ کو حکم ہوا کہ وہ کشتی بنائیں اور آج کے بعد وہ کسی کی بھی بات کا غم نہ کریں۔نوحؑ نے اللہ کے حکم سے کشتی بنانی شروع کی۔اس سے نوحؑ یا انکی قوم کا کوئی بھی فرد اس فن سے واقف نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے انہیں یہ علم دیا۔نوحؑ نے کشتی بنانے کے لئے سامان اکٹھا کرنا شروع کردیا اور کشتی بنانی شروع کردی۔ وہ یہ کشتی سمندر یا دریا کے کنارے پر بیٹھ کر نہیں بنا رہے تھے بلکہ سمندر سے بہت دور یہ کشتی تیار کی جارہی تھی۔انکی بیوی نے پوچھا ''نوحؑ ان لکڑیوں کا کیا کررہے ہو؟'' انہوں نے جواب دیا ''ایک کشتی بنا رہا ہوں تا کہ جب عذاب الٰہی نازل ہو تو میں اور میرے ساتھی اس میں بیٹھ کر اپنی جان بچاسکیں۔''

یہ سن کر وہ تمسخرانہ انداز میں بولی ''وہ پانی کہاں ہے جس پر تمہاری کشتی چلے گی۔ میرا خیال ہے تم دیوانے ہوگئے ہو یا پھر تم پر خداؤں کا عذاب نازل ہوگیا ہے۔ یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ کشتی جنگل پر چلے گی۔''

اور پھر انکی بیوی کی دیکھا دیکھی سبھی لوگ ان کا مذاق اڑانے لگے جب وہ نوحؑ کو یہ کشتی بناتے دیکھتے تو ان پر طنزیہ جملے اچھالتے اور ان کا مذاق اڑاتے مگر دل ہی دل میں ڈرتے بھی تھے کہ کہیں نوحؑ کی بات سچ نہ ہوجائے۔

جب انہوں نے زیادہ ہی مذاق اڑانا شروع کردیا تو اللہ تعالیٰ کی وحی نازل ہوئی:

ترجمہ:''اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم تم پر ہنستے ہیں جیسا تم ہم پر ہنستے ہو۔''

ان لوگوں کا خیال تھا کہ اگر سیلاب آگیا تو وہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنی جان بچالیں گے۔آخر کار کشتی بن کر تیار ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے نوحؑ کو حکم دیا۔

ترجمہ:''اس کشتی میں سوار ہوجاؤ۔اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ کے نام سے ہے۔ بالیقین میرا رب غفور ہے رحیم ہے۔''(ہود۔۴۱)

اللہ کے اس حکم کے بعد جتنے مومن لوگ تھے سبھی اس کشتی میں سوار ہوگئے ساتھ ہی اللہ کے فرمان کے مطابق انہوں نے سبھی جانوروں اور پرندوں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں رکھ لیا۔

ادھر نوحؑ نے کشتی میں جب سبھی لوگوں کو سوار کرلیا تو انکی نگاہ اپنے بیٹے کنعان پر پڑی جو کشتی سے باہر اتنا قریب کھڑا تھا کہ انکی آواز سن سکتا تھا۔انہیں اپنی بیوی

کہیں نظر نہ آئی وہ اسکی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ انہیں اپنے بیٹے کے بارے میں گمان تھا کہ وہ مومن ہے انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا:

ترجمہ:''اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت ہو۔''(ہود۔۴۲)

ان کے بیٹے نے جواب دیا:

ترجمہ:''میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھکو پانی سے بچالے گا۔نوحؑ نے کہا آج اللہ کے حکم یعنی قہر سے کوئی بچانے والا نہیں لیکن جس پر وہ رحم کرے۔''

نوحؑ نے اس وقت اللہ تعالیٰ سے دل ہی دل میں اپنے بیٹے کے بچنے کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔

ترجمہ:''اے نوحؑ یہ شخص تمہارے گھر والوں میں سے نہیں وہ تو ایک بگڑا ہوا کام ہے لہٰذا تو مجھ سے اس بات کی درخواست نہ کر جس کی حقیقت تو نہیں جانتا۔''(ہود۴۶)

یہ سن کر انہوں نے اللہ کی رضا کے آگے سر جھکا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انکی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

ترجمہ:''نوح بہت شکر گزار بندے تھے۔''(الاسرا۔۳)

پھر وعدۂ حق آ پہنچا۔اللہ کا حکم پورا ہوا اور زمین سے پانی ابلنے لگا۔اللہ تعالیٰ نے آسمان کے دروازے کھول دیے اور خوب پانی برسنے لگا۔ زمین پر جا بجا چشمے پھوٹنے لگے اور جل تھل ہو گیا۔ چاروں طرف پانی ہی پانی تھا،نوحؑ اور ان کے مومن ساتھی اللہ کی پناہ میں آ گئے تھے جتنے سرکش لوگ تھے وہ سب کے سب اس طوفان میں غرق ہو گئے ۔اگر آواز تھی تو پانی کی لہروں کی اور کشتی میں سوار مومنوں کی تسبیح و تحلیل کی۔ اسطرح ایمان کا طوفان کفر فسق و فجور پر غالب آ گیا۔

پانی نے کشتی کو اونچا اٹھا لیا تھا۔طوفانی لہروں اور موجوں نے کرۂ ارض کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا یہاں تک کہ زمین پانی کا ایک گولہ بن کر رہ گئی۔نوحؑ کی بیوی بھی طوفان میں غرق ہو گئی اور ان کا بیٹا کنعان بھی ڈوبنے والوں میں شامل ہو گیا۔

اللہ کے دین اور اس کے نبیؑ کا مذاق اڑانے والی واعلہ رہتی دنیا تک کفر کا راستہ اپنانے والی ہر عورت کیلئے بدترین مثال ہے۔ جو عورت بھی اسکی اقتدا کرے گی وہ نور الٰہی کے اس چشمۂ فیض سے بہت دور ہو جائے گی جس کی روشنی صراطِ مستقیم کی طرف لے جاتی ہے۔

والھہ ،حضرت لوطؑ کی بیوی

یہ وہ عورت تھی جو اپنے شوہر کے خلاف اپنی قوم کی مددگار اور ان کی جاسوس تھی اور اپنے شوہر کے راز افشا کرنے اور ان کی دعوت میں رکاوٹ ڈالنے والی تھی۔ نہایت بداخلاق، بدفطرت اور بدخصلت تھی اپنی گمراہ قوم کے ساتھ عذاب سے ہمکنار ہوئی۔

حضرت لوطؑ اللہ تعالیٰ کے ان جلیل القدر انبیائے کرام اور پیغمبرانِ حق میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے انکی اقوام کیلئے مشعل ہدایت بنا کر بھیجا۔آپؑ حضرت

ابراہیمؑ کے بھتیجے اور ہم عصر تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کو اپنے بھتیجے سے از حد محبت تھی۔ حضرت لوطؑ نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ عراق سے ہجرت کی اور مصر گئے وہاں سے شام آ گئے۔ ابراہیمؑ نے فلسطین میں سکونت اختیار کی جبکہ لوطؑ نے اردن کو اپنا مستقل ٹھکانہ بنایا۔ نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت لوطؑ کو سدوم کے علاقے میں تبلیغ کیلئے بھیجا۔

دن پر دن اور سال پر سال گزرتے چلے گئے مگر اہل سدوم پر ان کی تبلیغ کا ذرہ بھر بھی اثر نہ ہوا۔ بستی کے سارے گھروں میں سوائے انکے اپنے گھر کے کوئی بھی مومن نہ تھا بلکہ ان کے گھر والوں میں سے انکی اپنی بیوی والھہ نے دین کی دعوت قبول نہیں کی تھی اور شیطان کی ہمنوا بن کر اسکے چیلوں میں شامل ہوگئی تھی۔

لوطؑ کی قوم گناہ یا ذلت کے ادنیٰ اور گھٹیا ترین مقام پر تھی۔ پوری بشریت میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ شیطان پوری طرح ان کے دل و دماغ پر قابض تھا اور گناہوں کو زیب و زینت کے ساتھ ان کے سامنے پیش کر رہا تھا۔ وہ خلاف فطرت گناہوں میں ڈوب چکے تھے۔ وہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پیچھے بھاگتے تھے اور ''عملِ لواطت'' کے مرتکب ہوتے۔ انکی بیوی ان کفار کے ساتھ ملی ہوئی تھی وہ خود تو زنا کار نہ تھی مگر بدکرداروں کی تمام حرکات میں انکی حمایت کرتی تھی۔ وہ اپنی برائیوں کو برائی نہیں سمجھتے تھے بلکہ بھرے مجمع میں اپنی بدافعالیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے۔ ان کے دل پتھر ہو چکے تھے نہ ہی وہ اپنی بداعمالیوں پر شرمندہ ہوتے تھے۔ حضرت لوطؑ انہیں ان برے کاموں سے روکتے ان کے کھانے پینے موج اڑانے اور جانوروں کی سی طرز زندگی گزارنے کا دردناک انجام بتاتے مگر یہ سب باتیں ان پر بے اثر تھیں۔ آخر کار ان لوگوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ لوطؑ اور ان کے گھر والوں کو بستی سے نکال دیا جائے سوائے ان کی بیوی کے کیونکہ وہ ان بدبختوں کی ساتھی تھی۔ وہ چاہتے تھے لوطؑ اور انکی بیٹیاں اس بستی سے نکل جائیں وہ طنزیہ کہتے یہ لوگ بڑے پاک صاف بنے پھرتے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو۔

واقعات سے پتا چلتا ہے کہ ان کی بیوی ان بدکاروں کی مدد کرتی تھی۔ باہر سے جب بھی کوئی اجنبی حضرت لوطؑ سے ملنے آتا تو انکی بیوی اگر کسی بہانے سے باہر نہ جا سکتی تو وہ دن کے وقت آگ جلا کر بجھا دیتی اور اس کا دھواں ان کے گھر سے اٹھتا رہتا۔ اور ان کی قوم کے لوگ سمجھ جاتے کہ ان کے ہاں کوئی نیا مہمان آیا ہے اور وہ اسے لینے کیلئے ان کے گھر کے باہر جمع ہو جاتے۔ اگر مہمان رات کو آتا تو وہ عورت آگ جلا دیتی دیکھ کر وہ بدکار لوگ ان کے گھر کے باہر آ جاتے اور اپنی بدترین خواہشات پوری کرنے کے لئے مہمانوں کا مطالبہ کرتے۔ انکی بیوی نہ صرف بدی میں اپنی قوم کا ساتھ دیتی بلکہ انکی چغلی کھاتی اور اپنی قوم کے لوگوں کو اکساتی کہ وہ اسکے شوہر کو جھٹلائیں اور ان کے دین کے کام میں رکاوٹیں ڈالیں۔ بظاہر وہ بہت نیک اور اپنے شوہر کی مصلح بن کر

پھرتی رہتی اندر سے وہ منافق تھی۔

مگر حضرت لوطؑ سے اس کا رشتہ زوجیت کسی کام نہ آسکا۔ اللہ کی عدالت میں اسکے لئے دوزخ کا فیصلہ سنادیا گیا۔ اس سے پہلے نوحؑ کی بیوی کے ساتھ یہی ہوا تھا۔

جب حضرت لوطؑ نے انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرانا شروع کیا تو وہ برملا کہنے لگے کہاں ہے اللہ کا عذاب اگر ہے تو لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ یہ سن کر ان کا دل غم سے بھر گیا۔ ان کی نگاہوں کے سامنے ظلم جبر اور فحش کاری کے مناظر بکھرے پڑے تھے۔ کہیں پر غلام اپنے سرداروں کے ظلم وستم کا نشانہ بن رہے ہیں تو کہیں اچھے برے کی تمیز باقی نہیں رہی تھی۔

جب لوطؑ نے دیکھا کہ انکی دعوت بے اثر ہو رہی ہے تو انہوں نے مجبور ہو کر اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کی۔

''اے میرے رب مجھ کو ان مفسد لوگوں پر غالب اور انکو عذاب سے ہلاک کردے۔ (العنکبوت۔۳۰)

اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول کرلی اور انکی مدد کے لئے اپنے فرشتے بھیجے تاکہ سارے مفسد لوگوں کو مع لوطؑ کی بیوی کے ہلاک وبرباد کردیں۔

''اور جب ہمارے فرشتے لوطؑ کے پاس آئے تو وہ انکی وجہ سے مغموم ہوئے اور انکے آنے کے سبب تنگ دل ہوئے اور کہنے لگے آج کا دن بہت بھاری ہے۔''

تین فرشتے حضرت ابراہیمؑ کے پاس تشریف لائے اور انہیں اور انکی بیوی کو صالح بیٹے کی خوشخبری سنائی اور انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اہل سدوم کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ ان سے قوم لوطؑ کے بارے میں سوال جواب کرنے لگ گئے، وہ چاہتے تھے کہ اس قوم کو تباہ نہ کیا جائے۔ انہوں نے کہا اگر اس قوم میں پچاس مسلمان ہیں تو فرشتوں نے کہا اگر ایسا ہے تو ہم انہیں تباہ نہیں کریں گے مگر افسوس ان میں دس لوگ بھی مسلمان نہیں ہیں۔ وہ گناہ اور معصیت کا چلتا پھرتا ناسور بن گئے ہیں انہیں تباہ کرنا ضروری ہوگیا ہے۔ فرشتے ابراہیمؑ کے پاس سے نکل کر حضرت لوطؑ کے پاس پہنچے یہ نہایت خوب صورت لڑکوں کی صورت میں سدوم آئے تھے۔ جب یہ وہاں پہنچے تو حضرت لوطؑ اپنی زمین پر کام کررہے تھے۔ فرشتوں نے کہا وہ ان کے ہاں مہمان ہونا چاہتے ہیں حضرت لوطؑ نے سوچا اگر انہوں نے انہیں مہمان نہیں رکھا تو کوئی اور انہیں لے جائے گا جو خطرناک بات ہوگی۔ وہ انہیں انسان سمجھ رہے تھے اور انکے حسن وجمال سے مبہوت سے ہوگئے اور سوچ رہے تھے آج کا دن تو بہت آزمائش کا دن ہے وہ جان بوجھ کر راستے میں ایسی باتیں کرتے رہے کہ یہ لوگ یہاں رہنے کا ارادہ بدل دیں اور کسی اور بستی میں چلے جائیں انہیں بہت پریشانی ہورہی تھی۔

فرشتوں کو حکم دیا گیا تھا جب تک لوطؑ خود بستی والوں کے خلاف گواہی نہ دیں انہیں ہلاک نہ کرنا۔ لوطؑ

نے ان نوجوانوں (فرشتوں) سے کہا میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اس بستی کے لوگ روئے زمین پر بسنے والے بدترین لوگ ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ لوگ فاسق فاجر ہیں اور نہایت خبیث لوگ ہیں۔

ایسی باتیں کرتے ہوئے وہ ان فرشتوں کو اپنے گھر لے آئے آج ان کے گھر ایسے مہمان آئے تھے جن کے حسن و جمال کی مثال ملنا مشکل تھی۔ ان مہمانوں کی آمد کا علم لوطؑ انکی بیوی اور بیٹیوں کے علاوہ کسی کو نہ تھا اور وہ اس بات پر دل ہی دل میں شکر ر کر رہے تھے۔

انکی بیوی نے جب اتنے حسین وجمیل مہمانوں کو دیکھا تو خوشی کے مارے پاگل ہوگئی وہ انکی اطلاع اپنی قوم کو دینے کیلئے بے چین نظر آنے لگی کہ انکی مخبری کر کے آج میرا مقام ومرتبہ بڑھ جائے گا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا ان مہمانوں کی آمد کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی لوطؑ کی بیوی نے الاؤ جلا کر اپنی قوم کو خبردار کیا تھا بعد میں خود بھی چھپتی چھپاتی ان کے گھروں میں جا کر اطلاع دینے لگی۔ یہ اطلاع سنتے ہی تمام لوگ یکدم ٹڈی دل کی طرح ان کے گھر کے باہر جمع ہوگئے۔ حضرت لوطؑ نے انہیں دیکھ کر ان کے عزائم کو بھانپ لیا۔ وہ لوگ نہایت بدتمیزی اور بے ہودگی سے مہمانوں کا مطالبہ کرنے لگے۔ حضرت لوطؑ انہیں کافی دیر آرام سے نرمی سے سمجھاتے رہے اور ان سے کہا:

''یہ میری بہو بیٹیاں جو تم لوگوں کے گھروں میں ہیں وہ تمہارے لئے اچھی خاصی ہیں۔ (ہود۔۷۸)

اور انہیں اللہ سے ڈرایا، پیار سے سمجھایا کہ فطرت کے قانون کے مطابق نکاح کرو مگر وہ اپنے مطالبے پر ڈٹے رہے۔ حضرت لوطؑ اپنے مہمانوں کی فضیحت نہیں چاہتے تھے وہ چاہ رہے تھے کہ کسی طرح رات گزر جائے صبح وہ انہیں خیریت سے روانہ کر دیں۔ مگر یہ لوگ ٹلنے والے نہیں تھے اور نہ ہی اپنے گناہوں پر شرمندہ تھے۔ بلکہ بڑی ڈھٹائی سے ایک ہی مطالبہ کیے جا رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

''وہ لوگ کہنے لگے آپ کو تو معلوم ہی ہے ہم کو آپ کی بیٹیوں کی ضرورت نہیں آپ کو تو معلوم ہے جو ہمارا مطلب ہے۔'' (ہود۔۷۹)

اب حضرت لوطؑ اپنے گھر کا دروازہ بند کیے اندر ہی سے انہیں سمجھا رہے تھے انہی لمحات میں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اب انکی بے بسی اور کرب اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ اتنے میں وہ فرشتے اٹھے اور آپ کے پاس آئے اور انہیں بتایا کہ ہم اللہ کے فرشتے ہیں ہمیں تو اس قوم کی بربادی کیلئے بھیجا گیا ہے۔ آپؑ پریشان مت ہوں۔ ان میں سے کسی ایک کی بھی مجال نہیں جو آپؑ تک پہنچیں اور پھر فرشتوں نے اللہ کے حکم سے اپنا ہاتھ بڑھا کر پوری قوم کو اندھا کر دیا۔

ترجمہ: اور ان لوگوں نے لوطؑ کو ان کے مہمانوں کی حفاظت سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ سو ہم نے انکی آنکھیں چوپٹ کر دیں۔ کہ لو میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو (القمر۔۳۷)

اب لوطؑ کو فرشتوں کی طرف سے اطمینان ہو گیا اور وہ پرسکون سو گئے پھر انہیں اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے آخر پہر میں یہاں سے چلیں اور اس صبح ہونے سے پہلے پہلے اس بستی کو چھوڑ دیں کیونکہ علی الصبح ان پر عذاب نازل ہونے والا ہے اور انکے گھر والوں سمجھایا۔

ترجمہ:اور تم میں سے کوئی پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھے (ہود۔۸۸)

یعنی جس وقت عذاب نازل ہو رہا ہوگا آوازیں آرہی ہوں گی ان میں کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے بلکہ چلتے جائیں اور انہیں یہ بھی بتایا کہ انکی نافرمان بیوی بھی اس عذاب کا مزہ چکھے گی اس لئے اسے ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں ۔ پھر دوٹوک الفاظ میں فیصلہ سنا دیا گیا۔

ترجمہ:اسکی نسبت ہم نے تجویز کر رکھا ہے کہ وہ ضرور اسی مجرم قوم میں رہ جائے گی۔(الحجر۔۶۰)

اور پھر اس رات کے آخری پہر لوطؑ نے ظالم لوگوں کی اس بستی سے نکلنے کی پوری تیاری کر لی کہ ان کو جلد یہاں سے نکلنا تھا کہ اس سے پہلے کہ صبح ہو جائے۔

رات ختم ہونے والی تھی صبح کا دھندلکا چھا رہا تھا جب لوطؑ اپنی دونوں بیٹیوں کو لے کر وہاں سے چل پڑے جیسے ہی وہ اس بستی سے تھوڑی دور پہنچے سورج کی کرنوں نے زمین کو چھوا تو اللہ نے اپنی فوجیں اس مہم کو پورا کرنے کے لئے بھیج دیں۔

بستیوں کو فاسق لوگوں سمیت الٹ دیا گیا کہ اوپر کی زمین نیچے اور نیچے کی اوپر ہوگئی سب کچھ تلپٹ ہو گیا صبح سویرے آسمان سے ایک چیخ بھیجی گئی اور ان پر تہہ در تہہ نوکیلے پتھروں کی بارش کی گئی۔

یوں ان کی پوری قوم ہلاک ہوگئی ۔ ان بدکردار لوگوں کے ساتھ والھہ بھی اپنے دردناک انجام کو پہنچی ۔حضرت لوطؑ اپنی بیٹیوں کے ساتھ اپنے چچا ابراہیمؑ کے پاس آ گئے اور پھر وہیں رہائش اختیار کی۔

(استفادہ:قصص القرآن ازمولانا حفظ الرحمٰن سیوھاروی۔تفہیم القرآن ازمولانا مودودیؒ ۔ ازواج الانبیاء احمد خلیل جمعۃ)

☆☆☆

عرفات کا دن

وقت ہاتھ سے نکلتا محسوس ہوا......روتے کرلاتے آنسو پونچھتے......وہ لمحے جن کا کوئی مول نہیں!

شاید زندگی میں اس سے زیادہ حسین دن کوئی نہیں ہوسکتا!

لیکن عرفات تک پہنچنا کس قدر کٹھن کام ہے یہ وہی جانتا ہے جو وہاں پہنچ چکا ہوتا ہے۔

منیٰ سے عرفات رات گئے پہنچے۔ٹرین سے نکلے تو معلم کی طرف سے کوئی گائیڈ نہ میسر ہوا...... پاکستان حج مشن کے ارکان سے پوچھا تو انتہائی سرد مہری کا مظاہرہ ہوا اور جواب ملا کہ ہمیں خود نہیں علم ہم آپ کو کیا بتائیں کہ کہاں جانا ہے ...... ایک دو نے جواب دیا فلاں روڈ پر چلے جائیں آپ کو اپنا مکتب مل جائے گا ...... رات کا وقت ، منزل کا علم نہیں ، ساتھی گم ہو چکے ہیں...... بالکل حشر کا سماں لگا بس سورج سوا نیزے پر نہ تھا۔

گھنٹہ ایک پھرتے پھراتے بالآخر چند اہالیان کراچی بھی حیران و پریشان سرگرداں نظر آئے۔ان خاتون سے دو دن قبل میری حرم میں انتہائی تفصیلی ملاقات ہو چکی تھی۔ بہت نفیس خاتون تھیں ...... خیر وہ بھی ہماری طرح کسی رہبر فرزانہ کی رہبری کی وجہ سے وہاں جمع تھے لیکن ان کا بیٹا مکتب ڈھونڈ کر انھیں لینے آ رہا تھا......ہمیں بھی آس بندھی اور چند منٹوں میں ان کے ہمراہ اپنے کیمپ میں تھے......دل کو بہت دھچکا سا لگا ......جس منزل کی تلاش میں گھنٹہ بھر سے مارے مارے پھر رہے تھے وہ تو یہ قریب ہی تھی......

ذہن میں کوندا سا لپکا ...... اللہ ...... دل سے بلکہ شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب!! بندہ اس کی تلاش میں مارا مار پھرتا ہے اور غلط رہبری پر کیا کیا نقصان نہیں اٹھاتا......

خیر رات کے بارہ بجے کیمپ میں پہنچے۔شناسا ، ناشناسا سب لوگ سوئے پڑے تھے۔ہم بھی خالی جگہ دیکھ کر لیٹ گئے ......صبح آنکھ کھلی وضو کیا نماز ادا کی ...... گرما گرم چائے کی خوشبو دل کے ساتھ دماغ کو بھی بیدار کر رہی تھی اور پھر چند ہی منٹوں میں ہر فرد کے ہاتھ میں چائے کے بڑے بڑے والے مگ تھے ......اتنے بڑے مگ کہ گھر میں بیٹھ کر پینا وقت کی عیاشی لگے۔ہم نے بھی چائے لی اور دینے والوں کے لیے دعا کی......۔

رات تھکن حد سے زیادہ ہو گئی تھی بس چند لمحے ہی آنکھ لگی اور ٹینٹ کے پیچھے کھڑکنے والی دیگوں کی آواز سے آنکھ کھل گئی ۔ فجر کی نماز کا وقت باتھ روم منیٰ کی نسبت کچھ ''ماٹھے'' تھے پانی بھی نہیں آ رہا تھا بس بوتل کے پانی سے وضو کیا اور نماز ادا کی ...... واش روم بہت

دور نہیں تھے لیکن پانچ منٹ تو ڈھونڈنے میں لگے.....
میرے آگے پیچھے، دائیں بائیں چہار جانب خیموں کی بہاریں اور قطاریں تھیں۔

پتہ نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہاں خیمے لگے ہوں گے یا نہیں؟ میں نے نظریں دوڑائیں ..... وقوفِ عرفات کا اصل رکن اصل میں میدانِ حشر کی مانند ہے..... میرا دل کہتا ہے اور مطالعہ بھی یہی بتاتا ہے کہ یہ میدانِ حشر کا مرکزی پوائنٹ ہوگا تو پھر کیوں یہاں ''میدان'' کا سا سماں نہیں بن پا رہا؟

وقوف ظہر کے بعد ہے، مغرب کے ساتھ ہی یہاں سے کوچ کرنا ہے۔ گنتی کے یہ چند لمحے ..... صرف چند گھنٹے خیموں کے بغیر گزارنا ممکن نہیں؟

قیامت کا منظر آنکھوں میں مجسم کرنے کے لیے بس اتنا ہی کافی ہوتا کہ ہر ملک کو ایک میدان الاٹ کر دیا جاتا۔ ہر ملک کا اپنا جھنڈا علامت کے طور پر!

میرا دل پگھل کر آنکھوں کے راستے باہر آ رہا تھا .....علامت.....؟ روزِ حشر کون سی علامت مانگوں گی؟

روزِ حشر یہ میدان ہر طرح کی علامات سے پاک ہوگا..... کسی کو کسی کی ہوش نہ ہوگی..... پہچاننے والے بھی ایک دوسرے سے نظریں چرائیں گے.....

صاف چٹیل میدان ..... آج تو چائے پانی سے جسم کو توانائی بھی فراہم کر چکی ہے!! مجھے خیمے میں ہلچل محسوس ہوئی، بھاگ دوڑ، چھینا جھپٹی کا عالم نظر آیا۔ پھر کیا تھا..... ہر شخص ہی انوکھی سرگرمی میں مصروف ہے۔

مکتب چالیس !! آواز آتی اور ساتھ ہی بڑے بڑے کارٹن آ جاتے۔ کبھی جوس کے ڈبے تقسیم ہو رہے ہیں کبھی سیب، کبھی بسکٹ اور کبھی کیک..... ہر بندہ بشر اپنی خالی جھولی پھیلاتا اور منٹوں سیکنڈوں میں ان خوبصورت پیکنگز سے بھرلاتا جن میں کھجوریں، بسکٹ، نمکو اور طرح طرح کے آئٹم ہوتے ..... مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا ہر شخص یہاں پکنک کے لیے آیا ہے اور وہ ہدایت جو ہر حاجی پاکستان سے پلے باندھ کے لایا تھا'' منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں کھانا نہیں، واش روم کا مسئلہ ہوگا'' سب بھول گیا۔

خیر جنھوں نے اللہ سے من کی مرادیں مانگنا تھیں وہ اپنی ہی دھن میں لگے رہے یہاں تک کہ وقوف کا وقت آ گیا اور بادشاہ کی طرف سے چکن پلاؤ، گرما گرم چائے، ٹھنڈے ٹھار پانی کی بوتلیں.....کو پن دکھاؤ اور لیتے جاؤ..... دل میں خیال آیا یہ دنیا کا بادشاہ ہے جو پل پل کھانے پینے کی اشیاء سے بے حد وحساب نواز رہا ہے جو دو جہانوں کا بادشاہ ہے اس سے مانگو تو رحمت ، برکت، عافیت، صحت، مغفرت، نجات، جنت ..... سب دے گا۔ وقت ہاتھ سے نکلتا محسوس ہوا اور دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیے۔ وہ لمحے.....جن کا کوئی مول نہیں .....ایک سے دو اور دو سے چار خواتین آتی گئیں اور اجتماعی دعا کا سا ماحول بن گیا..... روتے، کرلاتے، آنسو پونچھتے رب کی رحمتوں سے مالا مال ہو رہے تھے کہ کیمپ کی دو خواتین سروں پر بڑے بڑے جمبو سائز

کے کارٹن لیے داخل ہوئیں۔ ایک اور سخی عرب کی سخاوت سے مالا مال!

کیمپ کی خواتین کی نظروں میں رشک اور حسرت تھی خدا جانے اب ان میں کیا ہوگا۔ نمکین، میٹھا، کرارا، پھیکا سب سے تو فیضاب ہو گئے ..... جب ان دونوں خواتین نے اپنی ساتھی خواتین کو یوں للچائی نظروں سے دیکھتے پایا تو ''ہونہہ'' کے سے انداز میں اپنے سامان اور سروں پر وہ کارٹن رکھ کر رخصت ہو گئیں ..... کچھ لمحے ان کی خودغرضی زیر بحث آئی پھر سے ان کو دعا کی اہمیت بتائی اور خواتین نے وہ ڈبے بھلا کر دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیے۔

دینے والا رحمتوں کی بارش برسا رہا تھا.....نوید سنا رہا تھا کہ شیطان جنگ بدر کے موقع پر رویا تھا یا ہر سال نو ذی الحج کو روتا ہے ..... بنی آدم کی بخشش کے فیصلے اسے رلاتے ہیں.....اے بنت حوا مانگ جو مانگ سکتی ہے!

ہر کوئی گریہ زاری میں مصروف تھا.....اور اعلان ہوا کہ سامان سمیٹ لیں اور مزدلفہ روانگی کے لیے تیار ہو جائیں۔ وہ کیمپ جہاں صبح ٹانویں ٹانویں ہینڈ بیگز دکھائی دے رہے تھے اب چاروں جانب فروٹ مارکیٹ بنا ہوا تھا ..... کیلے، سیب، مسمیاں ..... جوسز کے ڈبے، کھجوروں کے پیک، خواتین من کی مرادوں کی طرح شاپنگ بیگ ان اشیاء سے بھر رہی تھیں الوداعی کھانا بھی آ گیا.....چکن اور مٹر پلاؤ.....

اتنے میں وہی دو خواتین اپنے سروں پر کارٹن اور کندھوں پر بیگ لٹکائے واپس آئیں پتہ چلا کہ ہر کیمپ میں گئیں لیکن ہر جگہ ہاؤس فل کا بورڈ لگا تھا چار و نا چار اسی ندیدے کیمپ میں واپس آئیں کم از کم ستر اسی کلو وزنی کارٹن اٹھا کر پسینے یوں بہہ رہے تھے کہ الامان والحفیظ۔ بالآخر انھوں نے ایک کارٹن کھولا۔

سب للچائی نظریں متوجہ ہو گئیں.....

خاتون نے ہاتھ اندر ڈالا۔

ہائیں یہ کیا، ٹھنڈے یخ پانی سے بھرے سو گلاسوں کا کارٹن! اب وہی خواتین ہر عورت کی منت کر کر کے اسے چار چار گلاس پکڑا رہی تھیں!

باجی بہت ٹھنڈا پانی ہے ..... (قبول کریں اور ہمارا وزن کم ہو) سب کی للچائی نظروں میں اب بیک وقت بہت کچھ تھا.....

خوشی، حقارت، استہزائیہ انداز ..... اور ..... ''دیکھا ..... پہلے ہی دے دیتیں .....اب دیے ہیں .....''

کہیں سے خیمے میں حج والی للّٰہیت، خشوع پیدا ہوتا نہیں دکھائی دے رہا تھا..... خیمے کی درزوں سے دھوپ چھن چھن کر اندر آ رہی تھی۔

کہنے کو میدانِ عرفات لیکن سرخ قالین بچھے ہیں پاؤں کو چلنے میں تکلیف نہ ہو۔

سر پر خیمے کی چھت ہے کہ سر لو سے نہ جھلس جائیں۔ ہر بیس پچیس منٹ کے بعد ٹھنڈا پانی کیمپ میں

بیٹھے ہوؤں کو مل جاتا ہے ..... جو دن مانگنے اور بس مانگنے کے لیے مختص ہونا چاہیے تھا اس دن بھی دنیا ہی اندھا دھند برس رہی ہے ! کوئی فاقہ، کڑی دھوپ، پیاسے حلق ہوں تو حشر کا منظر یاد آئے !!

ایک خاتون مالٹوں کی گنتی میں مگن ہیں کہ کتنے جمع کر لیے تو دوسری پلاؤ کے درجن بھر پیک لیے خوش!

آسمان پر بار بار ہیلی کاپٹر آتا جوان مناظر کو محفوظ کر رہا تھا۔تنہائی، یک سوئی کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔

وہ مسجد نمرہ، امام صاحب کا خطبہ جو بچپن میں ٹی وی کی سکرین کے آگے بیٹھ کر سنا کرتے تھے اور بعد از خطبہ ظہر، عصر کی جمع بین الصلاتین دیکھا کرتے تھے وہ کہاں ہے!!

یا الٰہی ٹی وی کے حج اور اس حج میں اتنا فرق کیوں ہے..... وہ لبیک اللھم لبیک کا دلپذیر ترانہ کیوں نہیں سنائی دے رہا!

پھر کیمپ میں آئے ..... از سر نو ذکر اذکار کے ساتھ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے کہ مسرت کی آواز آئی، شاہدہ اٹھو دعا مانگیں باجی بھی مانگ رہی ہیں۔ یوں دیکھا دیکھی پچیس تیس خواتین دائرے کی صورت میں جمع ہو گئیں۔

اللہ کا نام میرے گناہگار ہونٹوں پر آنے کی دیر تھی کہ آنسوؤں کا جمع شدہ لاوا بہہ نکلا ..... مانگتے مانگتے بس ایک ہی خوف رلا رہا تھا کہ نوازنے والا سب کو نوازے گا کہیں تم تو آج محروم نہیں رہ جاؤ گی؟ یہ ایسا سوال تھا کہ میری ہچکیاں بندھ گئیں ..... مجھے نہیں یاد میں اپنی زندگی میں کبھی دعا مانگتے ہوئے اتنا روئی ہوں گی !! سب کی آمین آمین کی آواز سے پھر دل کلبلاتا .....ان کی آمین عرشوں تک پہنچ گئی.....تمھاری؟؟

دل سینے اور پسلیوں کے پنجرے سے نکل نکل کر بے قابو ہو رہا تھا ..... مجھے لگتا ہے بس زندگی میں وہی لمحے تھے جب مجھے مانگنے کا ہنر آیا ..... آنسو پونچھتے ہوئے میں نے نظر اٹھائی تا حد نظر سب رو رہی تھیں۔

مالٹوں کی گنتی کرنے والی اماں بھی ..... پلاؤ کے پیک جمع کرنے والی بھی، لاہور کی انیسویں بیسویں گریڈ کی آفیسرز بھی .....سب رو رہی تھیں، مانگ رہی تھیں ..... دعا مانگ کے فارغ ہوئی تو سب بے تابی سے میری طرف لپکیں ۔سب مجھے پیار کر رہی تھیں۔ اظہار تشکر کہ بیکار بیٹھے تھے دعا منگوا کر اچھا کیا۔''اللہ قبول کرے'' کی دعا سب کے لبوں پر تھی.....

مجھے دلی اطمینان ہوا.....وقوف کیا، وضو تازہ کیا، نمازیں ادا کیں .....رختِ سفر باندھ ہی رکھا تھا کہ دل نے پھر سوچوں کے سمندر میں ڈبکی لگائی ۔ بھلا آج یہاں پر پوری امت مسلمہ کے آنسو بہے ہیں.....وجود ایک دم ہلکے پھلکے ہو گئے ہیں.....کہیں.....کہیں یہ وہی مقام تو نہیں جہاں پر میرے آقائے نامدار سجدہ میں جائیں گے اور اسی ارض مقدس پر ان کے آنسو گریں گے.....انھی آنسوؤں کی لاج رکھتے ہوئے میرا اللہ ان کو حق شفاعت عطا کرے گا.....

اگر یہاں پر ہی میرے آقا نے سجدہ میں رو کر دعا مانگنا ہے اور حق شفاعت ملنا ہے تو یہ جگہ کتنی قیمتی ہے!! اب میرے روئیں روئیں سے اپنے نبیؐ کے لیے درود کے ترانے تھے ..... صلی اللہ علیہ وسلم، صلی اللہ علیہ وسلم..... مختصر سے وقوف میں میرے ہاتھ جڑے ہوئے تھے نگاہیں آسمان کی جانب تھیں جب میرے بیگ میں پڑے سیل فون کی بیل شروع ہوئی۔

حج مبروک ..... حج مبروک، قانتہ باجی حج مبارک.....کوئی ایک کال تھی! سارے دن کا بند موبائل بجنا شروع ہوا تو چند لمحوں میں بیسیوں کالیں آ گئیں .....امی، زبیر بھائی، ناصرہ باجی، زرش، طاہرہ، باجی فرحت، باجی کلثوم، عظمیٰ، رشدہ بتول.....کوئی ایک نام تھا! ان کے مبارک باد کے کلمات نے ازسرنو آنسوؤں کی جھڑی شروع کر دی.....

''حج ہو گیا..... پتہ نہیں کیسا ہوا!'' رونا نہیں تھم رہا تھا جب گروپ والے سامان باندھے تیار نظر آئے..... گولہ چھٹنے کی دیر ہے ہمیں فوراً میدان عرفات سے روانہ ہونا ہے مزدلفہ.....!!

اب تک تو حج اور حج سے وابستہ ہر رکن ہی توقع کے برعکس نکلا ..... پتہ نہیں مزدلفہ کیسا ہو گا؟؟ اور قیام کیسا ہو گا؟؟

اشتیاق وضو کے لیے گئے تو ایسے گئے کہ بس گئے ہی گئے ..... پندرہ بیس منٹ سے زائد عرصہ ہوا تو مجھے فکر لاحق ہو گئی.....اتنے میں روانگی کا وقت آ گیا.....

پروفیسر صاحب کہاں گئے ہیں! ہر واقف حال پوچھ رہا تھا.....کھلبلی سی مچ گئی ..... بالآخر وضو کر کے پروفیسر صاحب تشریف لے آئے اور ہم اسٹیشن کی جانب روانہ ہوئے۔

شام کا وقت.....رکتے چلتے قافلہ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں اسٹیشن پہنچ ہی گیا ..... اور میں نے اسٹیشن کی سیڑھیوں سے میدانِ عرفات پہ نظر ڈالی روشنیاں ہی روشنیاں، بسیں، گاڑیاں.....امتل کا فون آیا.....قانتہ حج مبارک ہو، سنا ہے حدیث میں ہے کہ ہر امتی حج کے بعد عرفات سے خوش خوش نکلتا ہے۔

میں خوب ہنسی ..... چند لمحوں کی ہنسی نے مجھے بے حد ہلکا پھلکا کر دیا تھا.....

برق رفتار ٹرین نے ہمیں چار منٹ میں مزدلفہ پہنچا دیا.....راستہ میں میری گرائیں نعیمہ، تسنیم، گڑیا کے فون آئے وہ بسوں کے اژدہام میں کئی گھنٹوں سے پھنسی تھیں.....

مزدلفہ.....اب تک بچوں کے نام نمرہ، عرفات، منیٰ، اقصیٰ، صفا، مروہ پر رکھے گئے تھے، یہی سوچا کرتی تھی کہ مزدلفہ کا نام بچوں کے لیے کیوں فٹ نہیں ہے وہاں جا کر سمجھ میں آئی۔

☆☆☆

وہ لمحہ

کھانا پکانے والی چھٹی پر گئی ہوئی تھی۔ زندگی میں سب سے مشکل کام کھانا پکانا لگتا ہے۔ میں نے یہی دیکھا کہ جس کو کھانا کھانے میں دلچسپی نہیں ہوتی اسے کھانا پکانے میں بھی دلچسپی نہیں ہوتی۔ میں انہیں لوگوں میں سے ہوں۔ جب سے ہوش سنبھالا یہی محسوس ہوا کہ کھانے کا وقت مجھ پر بہت بھاری ہوتا ہے۔ آج تک بھوک نہیں لگی اکثر لوگوں کو یہ کہتے دیکھا کہ بھئی بھوک لگی ہے جلدی کھانا لگواؤ، یہ بھوک والی کیفیت مجھ پر کبھی نہیں آئی۔ روٹین میں وقت پر سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتی ہوں جب کبھی مجھے کھانا پکانا پڑتا ہے باورچی خانے میں جاتے ہی غصہ آجاتا ہے۔ یہ ہر وقت کے رنگ برنگ کھانے، بھون بھون کر گوشت پکانا، کھانے کے وقت یا تو کھانے کی تعریف کرنا یا اس کی برائی، پیاز کچا ہے گوشت ٹھیک طرح نہیں بھونا، مرچ تیز ہے، گھی بہت زیادہ ہے، یہی سنتی رہتی ہوں۔

میرا بس چلے تو چائے اور توس خود بھی کھالوں اور دوسروں کو بھی کھلا دوں۔ شادی کے بعد سب سے زیادہ خرچہ ڈبل روٹی، دودھ اور انڈوں کا تھا۔ زیادہ سے زیادہ آلوؤں کی چکریاں بنالیتی۔ جب تک نوکر نہ آتا بچے اور میاں میرے سمیت یہی کھاتے۔ ہاں کھانے کے بعد آئس کریم ضرور کھلا دیتی اس لئے رنگ برنگ آئس کریموں سے ڈیپ فریزر بھر لیتی۔ آملیٹ بنانے میں بھی میں ماہر تھی، ہر قسم کی چیزیں ڈال کر بناتی اور کھانے والا ضرور داد دیتا۔

اس دن بھی یہی ہوا۔ آلو کاٹے، پہلے سوچا دیگچی میں پکاؤں پھر خیال آیا کہ بار بار باورچی خانے میں جانا پڑے گا انہیں ککر میں ہی پکا لیتی ہوں تاکہ کام جلدی ختم ہوجائے۔ ککر کا ڈھکنا بند کر کے چلنے کی آواز آنے لگی۔ گھڑی دیکھی پانچ منٹ چلنا تھا۔ اسی دوران ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اب سمجھ نہیں آرہی تھی کہ ٹیلی فون سنوں یا ککر کی آگ بند کروں۔ اگر ککر بند ہونے کا انتظار کرتی تو فون بند ہوجاتا اور اگر فون سنوں تو شاید فون لمبا ہو اور آلو جل جائیں۔

کچھ دیر تو تذبذب میں کھڑی رہی پھر وقت سے پہلے ہی آگ بند کر کے تیز تیز قدموں سے فون تک گئی۔ فون پر میری بہن زری تھی۔ ''کیا بات ہے دیر سے آئی ہو میں تو فون بند ہی کرنے لگی تھی۔ صائمہ (میری بیٹی) سعودی عرب چلی گئی ہے؟''

''ہا.....ہاں ..... جہا..... جہا..... جہاز..... لے ..... لے..... لیٹ ہو گیا تھا۔''

میں چاہنے کے باجود یہ پورا جملہ ٹھیک طرح کہہ نہ سکی۔

''کیا بات ہے تم ٹھیک تو ہو۔''اس نے رونا شروع کر دیا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں سمجھ نہیں آئی کہ چاہنے کے باوجود میں ٹھیک طرح بول نہ سکی۔تم بالکل فکر نہ کرو۔''میں نے کہا۔

''تمہارا B.P تو ٹھیک ہے۔''اس نے پوچھا۔''ہاں بالکل ٹھیک ہے کل ہی چیک کروایا تھا۔''

''شکر ہے میں تو ڈر ہی گئی۔''اس نے اطمینان کا سانس لیا۔اس کے بعد حالاتِ حاضرہ پر لمبی چوڑی بات ہوئی۔ظہر کی اذان ہوئی تو ہم نے فون بند کر دیئے۔

مغرب کے بعد فون کی گھنٹی بجی۔زری کا بیٹا عامر تھا۔جو کہ کچھ عرصہ پہلے ہی امریکہ سے آیا تھا۔

''خالہ جان آپ کو کیا ہوا تھا مجھے تو ابھی ابھی امی نے بتایا ہے کہ آپ کچھ وقت کیلئے بول نہیں سکیں۔صبح آپ نے پہلا کام یہ کرنا ہے کہ Carotid doppler کروانا ہے۔ساتھ ساتھ مکمل خون اور جگر کے بھی ٹیسٹ کروانے ہیں۔ بعض دفعہ چھوٹے چھوٹے Clot ہوتے ہیں جو Carotid artery سے دماغ کی طرف چلے جاتے ہیں۔شکر ہے آپ کا کوئی حساس حصہ متاثر نہیں ہوا۔''

عامر ٹیسٹ تو کروالوں گی مگر ایسی تو کوئی بات نہیں لگتی میں تیز تیز آئی تھی۔''

''نہیں خالہ جان یہ تو تمام کروانے پڑیں گے۔''اس نے زور دے کر کہا۔ایک دو باتیں اور کیں اور فون بند کر دیا۔میں ابھی اس گفتگو پر غور کر رہی تھی تو فون کی گھنٹی پھر بجی اب کے میرا بھتیجا عمران تھا جو کہ الٹرا ساؤنڈ میں ماسٹر مانا جاتا ہے۔

''پھپھو اللہ کا کتنا شکر ہے کہ کوئی بڑا damage نہیں ہوا۔مجھے ابھی ابھی زری پھپھو سے پتہ چلا تھا کہ آپ کچھ دیر کیلئے بول نہیں سکیں۔آپ نے صبح جلد سے جلد پہنچنا ہے۔Corotid Doppler کروں گا۔ آپ شوگر کی مریض ہیں۔شوگر کے مریضوں کو تو کئی اور بھی تکلیفیں ہو جاتی ہیں۔ اللہ کا احسان ہے کہ بچاؤ ہو گیا ہے۔آپ کو کوئی کمزوری تو نہیں محسوس ہوتی؟''

''نہیں عمران اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایسی تو کوئی بات نہیں۔''

''اللہ کا بہت ہی شکر ہے،آپ نے جلد سے جلد پہنچنا ہے۔''

''میں دو ڈاکٹروں کی باتیں سن کر پریشان ہو گئی اور اٹھ کر وضو کر کے عشاء کی نماز پڑھنے لگی۔نماز پڑھ کر دعا کر رہی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔میں دعا میں مگن رہی۔ کام والی لڑکی نے فون اٹھایا cordless لے کر میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔میں نے جلدی جلدی دعا ختم کی اور فون پکڑا میری بھانجی رمی (آپا جی بنت الاسلام کی بیٹی) کا امریکہ سے فون تھا۔

''السلام علیکم رِمی کیا حال ہے؟''

''خالہ میں تو ٹھیک ہوں آپ کو کیا ہوا؟ابھی ابھی مجھے قانتہ (عامر کی بیوی) کا فون آیا تھا اس نے جو کچھ بتایا

ہے وہ تو کافی پریشان کن بات ہے۔ آپ سی ٹی سکین کروائیں بعض دفعہ clots حساس جگہ کا خون بند کر دیتے ہیں اور بعض دفعہ غیر حساس جگہ میں بیٹھ کر اردگرد کا حصہ damage کر دیتے ہیں۔ بہرحال آپ سی ٹی سکین تو کروائیں۔ یہ میرے میاں سے بات کریں۔''

رِمّی فیملی فزیشن ہے اور اس کا میاں واسکلر سرجن۔

''خالہ جان السلام علیکم، میرا خیال ہے آپ سی ٹی سکین کی جگہ MRI کروائیں اس سے بات زیادہ واضح ہوجائے گی۔''

''میں MRI کروالوں گی مگر مجھے لگتا ہے کہ شاید کچھ بھی نہ نکلے کیونکہ میں تیز تیز قدموں سے چلی تھی اور میری سانس پھولی ہوئی تھی۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''شک نکل جانا چاہیے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''یہ رِمّی سے بات کریں۔''

اس نے فون پھر رمی کو دے دیا۔ رمی دیر تک مجھ سے باتیں کرتی رہی مگر ہر مرتبہ اس کی تان اسی پر ٹوٹتی کہ آپ پہلی فرصت میں ٹیسٹ کروائیں۔

فون بند ہوا تو میں نے حساب کرنا شروع کیا کہ کتنے ٹیسٹ ہوگئے ہیں۔ ابھی Calculation پوری نہیں ہوئی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔ زری فون پر تھی۔

''بھئی مجھے یاد آیا ہے کہ تمہیں بہت سال پہلے thyroid کا مسئلہ ہوتا تھا، چاہے وہ ٹھیک ہوگیا تھا مگر مجھے خیال آیا ہے کہ لیبارٹری میں تو تم نے جانا ہی ہے T3-T4 کے ٹیسٹ بھی کروالو اور لگے ہاتھوں thyroid کا scan بھی اِنمول ہسپتال یا شوکت خانم ہسپتال سے کروالو۔ دونوں کی مشینیں اچھی ہیں۔ اِنمول میں میری ایک جاننے والی کام کر رہی ہیں اسے کہہ دوں گی تو باری جلدی آجائے گی۔'' ایک دو باتیں اور کر کے اس نے فون بند کر دیا۔

جو لسٹ ٹیسٹوں کی تیار کی تھی اس میں دو ٹیسٹ اور شامل ہوگئے، میری ایک عادت ہے کہ خاندان کا جو ڈاکٹر مجھے جو بھی کہتا ہے میں وہ کر لیتی ہوں کیونکہ یہ خاندانی ڈاکٹر بہت حساس ہیں اور فوراً ناراض بھی ہوجاتے ہیں۔ تمام رات پریشانی میں نیند نہ آئی۔ صبح نماز پڑھ کر لمبی دعا کی۔ ناشتہ کیا اور ڈرائیور لے کر پہلے لیب میں گئی وہ tests کی لسٹ دی بہت سا خون بھی دیا۔

''آپ 5000 روپے جمع کروادیں باقی ٹیسٹوں کا رزلٹ دینے پر لے لیں گے۔'' لیب ٹیکنیشن نے کہا۔ ''کل شام رپورٹیں لے جائیں۔''

اس کے بعد عمران کے کلینک پر پہنچی، وہاں کلینک پر عمران کی بہو بھی تھی جو ڈاکٹر ہے اور ہسپتال میں کام کرتی ہے کہنے لگی۔ ''پھپھو آپ ECG اور Echo بھی کروالیں۔''

عمران نے doppler کیا، اللہ کا شکر کہ کچھ نہ نکلا۔

''پھپھو آپ نے ECG اور Echo ضرور کروانا ہے۔''

''اچھا'' کہہ کر گھر آگئی، کیونکہ مسلسل ٹینشن اور دیر تک گاڑی میں بیٹھنے سے بہت زیادہ تھکاوٹ ہوگئی تھی۔ اگلے دن ECG اور Echo کروایا، خدا کی مہربانی سے وہ

دونوں بھی ٹھیک تھے۔اس سے اگلے دن اِنمول ہسپتال جا کر thyroid Scan کروایا۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے کچھ نہ نکلا۔ پھر MRI کیلئے وقت لیا اور دو دن کے بعد اس کا ٹائم بھی مل گیا۔ اور MRI جیسا سخت ٹیسٹ بھی کروایا۔ یہ پورا ہفتہ میری زندگی کا کتنا مشکل وقت تھا یہ یا میں جانتی ہوں یا میرا خدا۔ نہ کھانا کھانے کو دل کرتا نہ کسی سے بات کرنا چاہتی ۔ یہی دل چاہتا تھا کہ جائے نماز پر بیٹھ کر اپنے رب سے گڑگڑا کر اپنے لئے آسانیاں مانگوں جب تمام ٹیسٹ ہوگئے اور میں نے حساب کیا تو تقریباً پینتیس چالیس ہزار کے ٹیسٹ ہوگئے تھے۔ اکیلی بیٹھتی تو یہ سوچتی یہ سب کیا تھا؟ اگر ککر چلا تھا تو ٹیلی فون نہ آیا ہوتا چند منٹوں کا ہی ہیر پھیر تھا۔ اگر ٹیلی فون بجا تھا تو ککر نہ چلتا.....اگر دونوں ہی تھے ککر بھی چل رہا تھا اور ٹیلی فون بھی بج رہا تھا تو ایسی کیا بات تھی میں ہی آہستہ چلتی اور سانس نہ پھلاتی۔

آخر میں آپا جی بنت الاسلام کی بات یاد آئی تو سکون ہوگیا کہ تھوڑا نقصان کسی بڑے نقصان کا صدقہ ہوتا ہے اور تھوڑی تکلیف کسی بڑی تکلیف کا صدقہ ہوتی ہے۔

☆☆☆

کتابیں اپنے آبا کی

ہر صفحے پر انکا لمس.....انکی خوشبو.....لگتا ہے ان اوراق میں انکی آنکھیں بھی جیسے محفوظ ہوگئی ہوں

ایک میگزین میں کئی ہفتے سے یہ عنوان بار بار نظر سے گزر رہا ہے۔ چاہا کہ گزر جاؤں مگر جیسے دامن تھام لیا اس عنوان نے۔ جفت عدد کی طرح پے در پے تقسیم کا ایک عمل جو ہلکان کر دیتا ہے ایک خاکی وجود کو کبھی کبھی!!

اف خدایا! کتنے تلخ ہیں حقائق..... جبکہ کتنی پیاری ہیں ناں کتابیں.....اور وہ کتابیں بھی اپنے آبا کی.....انکی قدر و قیمت تو کسی ''جاننے والے'' ہی سے پوچھی جاسکتی ہے۔ ان کتابوں کے ساتھ کتنی ڈھیروں یادیں۔ کبھی کوئی سوکھا ہوا پھول، کوئی مڑا ہوا ورق، کوئی حاشیہ لگی ہوئی سطر۔ کسی خاص لفظ پر اپنے ہاتھوں سے ڈالا گیا واوین۔ کہیں بریکٹ لگائے ہوئے کچھ الفاظ۔ کہیں کتاب کے پہلے صفحے پر کوئی چھوٹی سے تحریر جو کسی محبت کرنے والے کی یاد میں کھو جانے کو کافی ہو..... کہ پورا منظر نامہ ذہن میں یکدم آجائے۔ یہ کتاب کس نے کس وقت کس موقع پر، کن احساسات اور لفظوں کے ساتھ پیش کی تھی۔ یادوں کی وہ سوغاتیں جو کسی کتاب کے پہلے سادہ صفحے پر محفوظ ہوں۔ یا کتاب کے آخری صفحے پر لیے گئے نوٹس!

کتنی پیاری ہیں مجھے ابا جی مرحوم کی کتابیں..... جن میں کہیں سرخ، کہیں سبز اور کہیں نیلی پنسلوں سے خط کشیدہ کیا ہوا ہے انہوں نے لفظوں کو اور جملوں کو۔ کہیں ایک ہی سطر کے نیچے سب رنگ کی پنسلوں سے کیوں حاشیے کھینچے گئے؟ انکی زندگی میں کبھی بھی نہ پوچھا ان سے اور اب خود سے پوچھنا بے کار..... کہ میرے جواب کی مماثلت ہو انکی سوچ سے یہ بھی تو ممکن نہیں۔ ہر صفحے پر انکا لمس..... انکی خوشبو .....لگتا ہے ان اوراق میں انکی آنکھیں بھی جیسے محفوظ ہوگئی ہوں۔ وہ اب بھی ان حرفوں کو، لفظوں کو دیکھ رہے ہیں۔ یا شاید میں انکی نظروں سے دیکھ رہی ہوں۔

لیکن ان دو آنکھوں کے پیچھے ذہن تو بالکل مختلف ہوتے ہیں.....اور لفظوں کی وسعت تو ذہنوں کی وسعت میں پوشیدہ ہے..... اور لفظ بہت باحیا بھی ہوتے ہیں اکثر..... باحجاب! اپنے معنی و مطالب ہر کس و ناکس پر تو نہیں کھول دیا کرتے ناں وہ.....سو کچھ نظریں تو لفظوں کی ساخت سے ہی پلٹ کر واپس آجاتی ہونگی.....یا لفظوں کے پیچ و خم کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاتی ہونگی، اور لفظ اپنے معانی و مطالب چھپائے کہیں دور کھڑے ایک دوسرے کو اشارے کرتے رہ جاتے ہیں!

کچھ کتابیں تو شاید ''عارفوں'' کی تلاش میں بوڑھی ہو جاتی ہوں! چاندی چمک اٹھتی ہو ان کے بالوں میں..... کہ قاری تو بہت پر ''عارف'' کوئی نہیں۔

اور کچھ کتابیں تو ایسی ہوتی ہوں گی جو ناقدروں کے ہاتھوں لگ جانے پر مرثیے و نوحے پڑھتی ہونگی۔ کیونکہ

ان کتابوں سے واقفیت سے قبل تو ''خود'' سے ملنا ضروری قرار پاتا ہے۔ کچھ کتابیں تو اپنے تعارف سے بھی گریزاں نظر آتی ہیں اور آپ ہاتھ بڑھائیں تو وہ اپنا ہاتھ تو کھینچ لیتی ہیں کیونکہ آپ کا چہرہ مہرہ پہلی نظر میں انہیں بتا دیتا ہے کہ آپ کو تو خود اپنا بھی تعارف نہیں۔ ہم ورق گردانی کرتے رہ جاتے ہیں اور کتابیں منہ موڑ کر جا چکی ہوتی ہیں!

ارے یہ مضمون تو قاری اور کتاب کے بارے میں ہو گیا۔ نصف شب کو میرا اس موضوع پر لکھنے کا ارادہ تو نہ تھا۔ میں تو اپنے آباء کی کتابوں کا ذکر کرنے بیٹھی تھی۔

سچ تو یہ ہے کہ اب آباء جو کچھ ورثے میں چھوڑ کر جاتے ہیں ان میں کتابیں تو خال خال ہی ہوتی ہیں۔ نہ ہی کتابوں کو ورثہ سمجھا جاتا ہے نہ ورثہ چھوڑنے والا انکی قدر سمجھا کر جاتا ہے۔ لہٰذا مرنے والے کے بعد انکی حیثیت محض ردی کی ہوتی ہے ورثے کی نہیں۔

بس بہت ہو گئی تمہید.....اصل قصے کی طرف آیئے اب۔ ہوا یوں کہ تایا جان کا انتقال پرملال ہو گیا پچھلے برس۔ شہر کے پوش علاقے میں وسیع و عریض ان کے ذاتی گھر سے ان کا جسد خاکی اٹھا۔ دو بچے چھوڑے وارثوں میں..... کثیر جائیداد، بیرون شہر پلاٹس اور بیرون ملک اکاؤنٹس۔ کسٹم میں اعلیٰ عہدے پر تھے۔ اور پھر انکی جائیداد ان کے بیٹے اور بیٹی میں اتنے تنازعے کا سبب بنی کہ سارے خاندان کو علم ہو گیا۔ خاندان میں کئی لوگوں نے ثالث کا کردار ادا کیا۔ وکیلوں کی خدمات لی گئیں۔ مفتی حضرات سے فتوے لیے گئے۔ یوں وہ جائیدادوں کے تنازعات دلوں کو مکدر کر کے اور تعلقات پر تلواریں چلا کے، تحلیلِ محبت کے بعد حل ہو گئے۔

کتنی فکر انگیز ہے یہ بات کہ انسان اولادوں کے بہتر مستقبل کے لئے جو پیسہ سینت سینت کر رکھتا ہے وہی پیسہ ان کی اولادوں کے لئے سمِ قاتل ثابت ہوتا ہے۔ کتنے دانشمند ہیں وہ والدین جو اپنی زندگی میں یہ سوچ لیتے ہیں کہ ان کی جائیدادیں دنیا سے جانے کے بعد باعثِ نزاع نہ بن جائیں لہٰذا اپنی زندگی میں ہی حقداروں کو ان کے حق دے دیے جائیں۔ پھر قلم کہیں سے کہیں نکل گیا.....بات ہو رہی تھی آباء کی کتابوں کی.....

جب تنازعے تھم گئے تو ایک دن مرحومہ کی اہلیہ تائی ماں کا فون آیا بولیں تم کسی دن آ جاؤ تم بھی تو رشتے میں کچھ ہو۔ آ کر دیکھو تو سہی تمہارے مرحوم تایا ابو تمہارے لئے کیا چھوڑ کر گئے ہیں۔

کیسی مبارک تھیں وہ ساعتیں جب یہ نوید ملی اور کیسی مبارک میری ساعتیں!!

تب سب بہن بھائیوں کو فون کیا کہ کیا ان کے پاس بھی ایسا کوئی فون آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایسا تو کچھ بھی نہیں۔ تب تو اپنی خوش بختی پر ایسا رشک آتا تھا کہ قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے۔

شوہر سے بھی یہ راز چھپایا کہ ضرورت سے زیادہ توقعات وابستہ نہ کر بیٹھیں۔ بھائی کو اس کے گھر سے بلایا۔ چھوٹا بھائی جو سمجھ میں نسبتاً ناسمجھ ہے اس حساس موقع

پر اسے ساتھ لیا۔ گویا جذبات کو قابو میں رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر چھوڑی۔ یہ کیا عقدہ ہے؟ اس وراثت میں میرا کیا حصہ ہے؟

تائی اماں اپنے ماسٹر بیڈروم سے ملحق سے نسبتاً ایک تنگ و تاریک سے کمرے میں لیکر گئیں جس میں قد آدم شیلف تھے جو کتابوں سے اٹے ہوئے تھے۔ معقول روشنی کا انتظام بھی نہ تھا۔ بولیں۔

''میں سوچتی رہی کہ اتنی کتابیں اب کون پڑھے گا! یہاں تو کسی کو سچی بات ہے فرصت ہی نہیں۔ پہلے بیٹے سے کہا کہ کباڑ یئے کو بلا لائے۔ پھر خیال آیا کہ ایک نظر تمہیں دکھادوں اگر تمہارے کام کی کوئی کتاب ہے تو لے جاؤ باقی ردی والا لے جائیگا۔ اس سٹلائیٹ کے دور میں اب وقت کس کے پاس ہے مطالعے کے لئے..... اور سب کچھ تو نیٹ پر مل جاتا ہے۔ تمہارے تایا ابو کو تو خبط تھا کتابوں کا ..... گھنٹوں بس وہ ہوتے تھے او ر یہ کتابیں..... مجھے تو بہت رقابت رہی ان کتابوں سے جو انسانوں کو تنہائی پسند بنا دیتی ہیں۔ دل بہلانے کو تو ٹی وی ہی بہت ہے۔ اور اب تو صبح کی نشریات ہی.....''

میں انکی گفتگو سنتے ہوئے تایا جان کی لائبریری کا جائزہ لیتی رہی۔ کچھ کتب انتہائی قدیم اور رسائل کے ریکس پر ہر عنوان الگ الگ درج ۔ اقبالیات، فلسفہ، تاریخ، سیرت، شاعری، علوم القرآن، حالات حاضرہ..... کتابوں کا کتنا نایاب ذخیرہ۔ محسوس یہ ہوا نئی کتابوں کو دیکھ کر کہ آخری عمر تک ان کا یہ شوق باقی رہا ہے۔

اوپر کے ریکس نسبتاً خستہ حالت میں۔ کچھ کتابوں پر سلیقے سے کور چڑھے ہوئے۔ کتابیں کھولتی جاتی تھی اور انکی دنیا کا اک ایک دریچہ وا ہوتا جاتا تھا۔ کتنے علم دوست تھے وہ..... پر یہ علم دوستی ان کی اولاد میں کیوں نہ منتقل ہوسکی؟ شاید انہوں نے کوشش کی ہو..... پر یہ سیم وزر کی دنیا!! یہاں سودوزیاں کے پیمانے سب کے الگ الگ.....

آہ! اس ورثے کا یہ سب سے قیمتی حصہ جواب کسی کباڑ یئے کے ٹھیلے تک پہنچ جائیگا!

میں کتابوں کا انتخاب کرتی رہی اور دل ڈولتا رہا۔ نہ معلوم کون کون کہاں کہاں اپنے آباء کے اس ورثے کے ساتھ کیا کیا سلوک کر رہا ہوگا۔ اور ہم اپنے ورثے میں کیا کیا چھوڑ کر جانے والے ہیں؟ کیا اس ورثے کے ساتھ اس کے قدر دان وارث پیدا کرنا ہماری اولین ترجیح نہیں ہونی چاہیے؟

سوچنے کی ایک دنیا پنہاں ہے اس عنوان میں ''کتابیں میرے آباء کی!''

کیا ہماری آئندہ نسلیں ہمارے تناظر میں اس موضوع پر قلم اٹھا سکیں گی؟؟

(نوٹ: کہانی سچی لیکن کردار فرضی ہیں)

☆☆☆

خراجِ تحسین

ہماری خود پسندی ہمیشہ دوسروں میں کوئی خامی ڈھونڈتی نظر آتی ہے۔ ہمیں ہمیشہ دوسروں میں برائیاں ہی نظر آتی ہیں (بشرطیکہ یہ ''دوسرے'' ہمارے اپنے ہوں۔) نہ ہمیں دوسروں کا وضع قطع اچھا لگتا ہے نہ حلیہ بشرہ اچھا لگتا ہے، نہ رنگ روپ اچھا لگتا ہے، نہ گفت وشنید اچھی لگتی ہے، نہ میزبانی اچھی لگتی ہے نہ مہمانی ..... نہ نظریات اچھے لگتے ہیں نہ روایات اچھی لگتی ہیں۔لیکن .....اگر کوئی چیز امپورٹڈ اور ولایتی ہوتو ہم اس پر فدا ہونے اور اس پر صدقے واری جانے میں ایک پل کی تاخیر نہیں کرتے۔

پرفیوم پیرس کی ہوتو مسحور کن لگتی ہے۔فلم ہالی وڈ کی ہوتو ہماری داد وتحسین کی سزاوار ٹھہرتی ہے۔ ہیروئن بالی وڈ کی ہوتو من کو بھاتی ہے۔ کپڑا جاپانی ہوتو اس پر دل آتا ہے۔کھانے اٹالین ہوں تو لذیذ لگتے ہیں۔دوشیزہ امریکی ہوتو نظروں میں سما جاتی ہے۔ادب جرمنی کا ہوتو معیاری لگتا ہے،شامیں سنگاپور کی ہوں تو اچھی لگتی ہیں۔ مقبرہ آگرہ کا ہوتو اچھا لگتا ہے۔ ویزہ کینیڈا کا ہوتو دل باغ باغ ہوجاتا ہے،علاج برطانیہ میں ہوتو تسکین ہوتی ہے۔ گاڑی جاپان کی ہوتو بیٹھنے میں مزہ آتا ہے۔ مشروبات ولایتی ہوں تو پینے اور پلانے میں لطف آتا ہے۔گانے بدیسی ہوں تو ہم ان پر سر دھنتے ہیں۔آلو، پیاز امپورٹڈ ہوں تو لگتا ہے خالص کھا رہے ہیں۔ہمیں تو لگتا ہے کہ ہمیں ہر چیز دوسروں کی، غیروں کی اچھی لگتی ہے سوائے ''اپنے غم'' اور ''اپنے بچوں'' کے!

ہم ہمیشہ باہر کے سسٹم کی تعریف کرتے پائے جاتے ہیں۔ان کا میڈیکل سسٹم،ان کا ایجوکیشن سسٹم، ان کا لیگل سسٹم،ان کا ٹریفک سسٹم .....ان کا ہر سسٹم ہی ہمیں لاجواب لگتا ہے۔ ہمارے سسٹم میں کیا .....اس جینے میں کیا رکھا ہے..... کے مصداق!

بات محض اچھا لگنے تک محدود ہوتو اہم نہیں ہوتی۔ ہمیں تو جو چیز اچھی لگتی ہے ہم اسے اختیار کر لیتے ہیں مثلاً غیر ملکی کلچر، غیر ملکی فیشن، غیر ملکی تہوار وغیرہ.....ان چیزوں کو ہم اتنا پسند کرتے ہیں کہ انھیں گود لیتے ہیں مثلاً برتھ ڈے، مدر ڈے، فادر ڈے، ویلن ٹائن ڈے، فرینڈ شپ، ڈانس پارٹی،مکس گیدرنگ، پہناوے، لو میرج، مے نوشی اور سگریٹ نوشی وغیرہ وغیرہ ..... ہمارے اس رویے کی وجہ ہمارا احساسِ کمتری اور احساسِ محرومی بھی ہوسکتا ہے جو دینی تعلیم سے محرومی کے باعث پیدا ہوتا ہے۔ اعمال کی جوابدہی کا خوف جیسے جیسے ہمارے دل سے رخصت ہوتا جاتا ہے ہمیں دنیا کی رنگا رنگی، رونق میلے، چکا چوند، آرائش وزیبائش، کار کوٹھی، جاہ وحشم ..... یہاں کا اسٹیٹس اور اسٹینڈرڈ

بھاتے اور دل لبھاتے ہیں اور ہم کشاں کشاں ان کی جانب کھنچتے اور بڑھتے جاتے ہیں۔

اس مرعوبیت میں ہم یہ بھی نہیں سوچتے کہ جو چیزیں انھوں نے ہماری تاریخ اور خود ہمارے ہی اسلاف سے سیکھیں ہیں مثلاً ضابطۂ اخلاق، صداقت، امانت، بدعنوانی سے پرہیز، حقوق وفرائض کی ادائیگی، قانون کی بالادستی، وقت کی پابندی، عہد کی پاسداری وغیرہ.....ہم ان سے وہ چیزیں نہیں سیکھتے اور اپنے ہاں انھیں دقیانوسی روایت سمجھ کر ترک کرتے جارہے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ آج ایک ایسے مقام پر کھڑے ہیں جہاں جرم، ناانصافی، بدعنوانی، حقوق کی پامالی، قتل و غارت گری، لوٹ مار ہماری پہچان بن گئی ہے، ہمارا شعار اور شاید ہمارا افتخار بھی بن چکی ہے ..... ہم دینداری کے لیے داڑھی رکھنا اور برقع پہننا ہی کافی سمجھ لیتے ہیں۔

ہر چند کہ ہم اپنے دشمنوں سے بے انتہا بیر رکھتے ہیں اور جن سے بیر رکھا جائے ان کی اچھی بات بھی بری ہی لگتی ہے.....لیکن ہمارا نظریہ یہ ہے کہ دشمنوں میں بھی کوئی اچھی بات نظر آئے تو اس کو اچھا ہی کہنا چاہیے (ہر چند کہ دشمن کتنا ہی برا کیوں نہ ہو) دیکھنے والی آنکھوں نے دیکھا، سننے والے کانوں نے سنا کہ ہم پر ڈرون حملے کرنے والوں اور مسلم ممالک میں جنگ مسلط کرنے والوں نے .....مسلمانوں کو انسانوں کی گنتی میں شمار نہ کرنے والوں نے.....کس طرح مقررہ وقت پر اپنے انتخابات منعقد کیے ..... کس طرح انتخابی مہم چلائی.....کس طرح نتائج کو قبول کیا اور کس طرح ایک دوسرے کو مبارک باد دی ..... نہ ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالے گئے، نہ انھیں گالیاں دی گئیں ..... نہ لوٹوں کو خریدا گیا، نہ لوٹوں کو بیچا گیا..... نہ خون خرابہ، نہ آگ اور دھماکہ، نہ دھینگا مشتی نہ چار سو بیسی.....بس ایک کام تھا سو ہو گیا.....ایک ذمہ داری تھی جو ادا ہو گئی۔

ہمارے دشمنِ خاص اوباما نے اپنی کامیابی کا سہرا اپنی شریک حیات کے سر باندھتے ہوئے ان کو سیلوٹ پیش کرتے ہوئے یہ کہا کہ آج وہ جو کچھ بھی ہیں ان کی وجہ سے ہیں۔ گویا یہ کامیابیاں، عزت، یہ نام تم سے ہے!! ان کی یہ ادا دنیا بھر کی خواتین کا دل جیت لے گئی۔

ہمارے یہاں ساری محنت ریاضت، محبت لگاوٹ، عہد و پیمان، انتخابی مہم کی طرح انجام دیے جاتے ہیں۔ شیریں کلامی، دریا دلی کے مظاہرے دل جیتنے تک جاری رکھے جاتے ہیں۔

ادھر اس مہم میں کامیابی کے آثار نظر آئے ادھر ''کی جاناں تو کون؟؟'' کے مصداق سارے وعدے اور ارادے، ساری محبتیں اور چاہتیں، روٹی کپڑا اور مکان کے نعرے اور وعدے کی طرح دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

ہماری خواتین اپنے شوہروں کے سکھ چین اور کامیابی کے لیے ہمیشہ سرگرم عمل رہتی ہیں.....اُن کے آرام میں کوئی خلل نہ پڑ جائے.....ان کی خدمت میں

کوئی کسر نہ رہ جائے.....ان کے کپڑوں پہ کوئی شکن نہ رہ جائے۔ان کی خوش خوراکی میں کوئی کمی نہ آ جائے۔ ان کی ناز برداری میں کوئی چوک نہ ہو جائے۔ان کی پیشانی پر کوئی بل نہ پڑ جائے .....ان کی بادشاہی میں رخنہ اندازی نہ ہو جائے ..... بس ان کے ابرو کے اشارے پر زندگی تمام کر دیتی ہیں مگر تا حیات اُس خراجِ تحسین سے محروم رہتی ہیں جو ان کا حق ہو۔ نہ کبھی ان کے پکائے کھانوں کی تعریف کی جاتی ہے، نہ ان کے سگھڑاپے کی تعریف کی جاتی ہے، نہ ان کی کفایت شعاری کی تعریف کی جاتی ہے، نہ ان کی خدمت گزاری کی تعریف کی جاتی ہے، نہ ان کے حسن کی تعریف کی جاتی ہے نہ حسن سلوک کی .....تعریف و تحسین کے حق سے بیوی کو یکسر محروم رکھنا ایسی بھی مردانگی نہیں جیسی سمجھتی جاتی ہے۔

وہ محسنِ انسانیت جن کی زندگی ہمارے لیے نمونہ بنائی گئی ہے اور جن کی ایک سنت پر عمل کر کے ہم دین و دنیا سنوار سکتے ہیں انھوں ؐ نے اپنی شریک حیات بی بی خدیجہ ؓ الکبریٰ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے انھیں ''اپنی محسنہ'' قرار دیا۔ان ؐ کی اس سنت (یعنی بیوی کی کارکردگی کا اعتراف اور تعریف) سے احتراز اور اس کی پیروی میں پس و پیش کیوں؟ انسانیت، محبت، سنت اور حسن اخلاق کا تقاضا ہے کہ بیوی کو خراجِ تحسین سے محروم نہ رکھا جائے۔

آپا کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات

میرے والد صاحب نے دو شادیاں کی ہیں ان کی بیوی شفیقہ اور دوسری مریم جمیلہ تھیں۔ دونوں میں بہت زیادہ پیار محبت تھا۔ میری والدہ محترمہ شفیقہ خانم نے گھر داری کی اور مریم کے بچوں کو پالا۔ میری والدہ کو سارے بچے ''امی'' کہتے تھے اور دوسری والدہ مریم جمیلہ کو ''آپا'' کہتے تھے۔ ہم نے دل سے مریم جمیلہ کو اپنی ماں سمجھا اور پوری ایمانداری سے اس رشتے کو نبھایا۔ مجھ سے انھیں خاص پیار تھا کہ ایک دفعہ اُن سے مذاق میں پوچھا گیا کہ آپ کو کون سا بیٹا اچھا لگتا ہے تو بولیں ''حسین فاروق خان'' میرے لیے یہ بہت خوشی کی بات تھی۔ میں دفتر سے واپس آتا تو میرے دروازہ کھولنے سے پہلے ہی آواز دیتیں، خان صاحب! حسین فاروق آ گیا۔ میں اُن کے ساتھ شام کی چائے پیتا اور ہم باتیں کرتے۔ ایک دفعہ ہم سب بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے پوچھا کہ آپا اگر حسین فاروق امریکہ چلا جائے، تو ایک دم بول پڑیں کہ میری دعا ہے کہ حسین فاروق باہر نہ جائے میرے ساتھ رہے۔

آج وہ ہمارے میں نہیں ہیں لیکن مجھے لگتا ہے کہ ابھی وہ آواز دیں گی کہ حسین فاروق میرے خط ڈال دو یا اچانک آواز آئے گی حسین فاروق آ گیا۔

میری بیوی عالیہ سے بہت پیار تھا۔ اکثر ہمارے کمرے میں بیٹھ جاتیں، ان کے ساتھ ہر قسم کی بات ہوتی اور خوش ہوتیں۔ میرے بچوں بہادر فاروق اور جازل فاروق سے بھی باہم بڑی محبت کا تعلق تھا۔ وہ دونوں ان کے چھوٹے چھوٹے کام کرتے، اُن کو پانی لا کر دیا کرتے، اُن کی ڈاک اُن کے کمرے میں دے آتے۔ اُن کے برتن اٹھا لیتے۔ وہ اتنے چھوٹے چھوٹے کاموں سے خوش ہو کر خان صاحب کو کہتیں، بہادر، جازل بہت اچھے..... میرا کام کرتے .....ان کا بہت شکریہ۔

میری امی محترمہ شفیقہ خانم کی وفات کے بعد اُنھوں نے ہمیں ماں جیسا پیار ہی نہیں دیا بلکہ ماں بن کر دکھایا۔ وہ بہت سادہ طبیعت اور سادہ پہننے والی تھیں۔ انھوں نے ہمیں اپنی اولاد سے بڑھ کر پیار کیا۔

میری ماں مریم جمیلہؒ امن پسند تھیں۔ بہت کم بولتیں کوئی سخت بات نہیں کہتی تھیں۔ میں خوش قسمت ہوں کہ میری دو مائیں تھیں، مجھے دونوں کی خدمت کر کے جنت حاصل کرنے کا موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔

(حسین فاروق خان)

☆.....☆.....☆

معروف مذہبی سکالر، مصنفہ اور یوسف خان

صاحب (رکن جماعت اسلامی) کی اہلیہ مریم جمیلہ صاحبہ میری ساس تھیں۔ میں نے اُن کے ساتھ ۱۰ سال ۱۱ ماہ گزارے۔ میری شادی یوسف خان کی پہلی اہلیہ شفیقہ کے بیٹے حسین فاروق خان کے ساتھ ہوئی۔ میں نے اپنے بڑوں سے سنا تھا کہ یوسف خان نے ایک انگریز لڑکی سے شادی کی ہے جو مسلمان ہوگئی ہے۔ میری امی کو اور مجھے اُن کو دیکھنے کا بہت شوق تھا مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ میری شادی حسین فاروق سے ہوگئی اور میں مریم جمیلہ کی بہو بن کر ان کے گھر آ گئی۔ پھر مریم جمیلہ کے ساتھ بہترین وقت میں نے گزارا۔

وہ نہ صرف مجھ سے بلکہ گھر میں سبھی افراد سے بہت پیار کرتیں۔ گھر میں ہر ایک کو نام لے کر پکارتیں اور ہر فرد کے بارے میں محبت سے پوچھتیں۔ ان سے کوئی بھی ملنے آتا تو بڑے پیار سے وقت دیتی تھیں۔ میں حیران ہو جاتی کچھ لوگ اُن کو ملنے سے پہلے دو نفل ادا کرتے کہ مریم جمیلہ سے ہماری ملاقات ہو رہی ہے اور ہم بہت خوش ہیں کہ انھوں نے ہمیں ملنے کا وقت دیا۔

مجھے اپنی شادی شدہ زندگی میں کوئی دن ایسا یاد نہیں جب انھوں نے مجھے بڑے پیار سے نہ پکارا ہو۔ میری زندگی کے ۱۰ سال ۱۱ ماہ اتنے اچھے گزرے ہیں کہ میں بھول نہیں سکتی۔ میں نے اُن سے بہت کچھ سیکھا۔ میری خالہ نصرت اکثر شیخوپورہ سے لاہور آتیں تو ان سے بھی ملاقات ہوتی۔ دو تین دفعہ اُن کی ملاقات ہوئی اور اُن کے سامنے ہی میری خالہ مجھے اپنے ساتھ لے جاتیں۔ ایک دفعہ میری خالہ کمرے میں بیٹھی تھیں کہ مریم جمیلہ آ گئیں۔ انھوں نے میری خالہ نصرت کو دیکھتے ہی کہنا شروع کر دیا کہ مون ان کے ساتھ نہ جاؤ۔ یہ ان کی مجھ سے بے حد محبت کا ثبوت تھا۔ صرف مجھ سے نہیں میری امی سے بھی بہت محبت سے پیش آتیں اور کہتی تھیں کہ میں تمھاری امی کے لیے بہت دعا کرتی ہوں۔

اتنا صبر میں نے کبھی کسی میں نہیں دیکھا۔ دو دفعہ ایسا ہوا کہ وہ بہت زیادہ بیمار ہوگئیں مگر میں نے کبھی اُن کے منہ سے اف کی آواز نہیں سنی۔ میں کہتی تھی کہ یہ تو کوئی فرشتہ ہیں۔ میں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اُن کی خدمت کرنے کا موقع دیا۔

جیسے کسی عورت کو اپنا زیور بہت پیارا ہوتا ہے اسی طرح مریم جمیلہ کو اپنی کتابیں کسی زیور سے کم نہیں تھیں۔ اُن کو وہ اس قدر حفاظت سے رکھتی تھیں کہ الماری کے پاس بھی کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔

شاید ہی کوئی دن ایسا ہو کہ ان کی ڈاک نہ آئے اور جس دن ایسا ہوتا اُس دن وہ بہت زیادہ اداس ہو جاتیں۔

میں اُن کی زندگی کو مثالی زندگی کہوں گی۔ وہ بے شک ہمارے لیے ایک رول ماڈل تھیں۔ اُن کی کتابیں

پڑھ کر کئی لوگ مسلمان ہوئے۔ ایسی ہستیاں کبھی کبھار پیدا ہوتی ہیں۔

دنیا کی بھی خبر رکھتی تھیں مگر سب سے پہلا کام اللہ کا ہوتا تھا۔ کھانے میں آلو قیمہ بہت پسند تھا۔ اگر بھوک نہ بھی ہوتی تو کھا لیتیں۔ لیموں پانی ، دہی، انڈے پسندیدہ غذائیں تھیں۔ کپڑوں میں کوئی بھی رنگ پہن لیتیں بہت اچھا لگتا مگر کالا رنگ بہت پسند تھا۔ گرمیوں کے کپڑوں میں کالے رنگ کا ایک سوٹ ضرور بنواتی تھیں۔

یوسف خان صاحب کے ساتھ نماز پڑھتیں اور قرآن مجید کی تلاوت کرتیں۔ میں نے ایک دن پوچھا آپا آپ نماز کے بعد سب سے پہلے کس کے لیے دعا کرتی ہیں تو فوراً جواب دیا خان صاحب کے لیے۔

اس دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے رات کو سب سے باتیں کیں اور ان کے بیٹے جو امریکہ میں ہوتے ہیں اُن سے بھی بات کی اُس رات بہت خوش باش تھیں۔ صبح ناشتے سے پہلے ڈاکٹر صاحب نے گھر آ کر اُن کا خون ٹیسٹ کے لیے لینے آتا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اتنا موقع ہی نہیں دیا اور وہ صبح پونے آٹھ بجے اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔

محبت اپنے پروانوں سے ہے شمعِ رسالت کو
تجھے محبوب، محبوبِ خدا ہونا مبارک ہو

عالیہ حسین فاروق (مون)

اے نفس مطمئنہ!

فارقلیط صاحبہ جس طرح اپنے نام کے لحاظ سے منفرد تھیں اسی طرح اپنے کردار میں بھی انفرادیت رکھتی تھیں۔ میں جن دنوں اُن کے آبائی گاؤں میں ملازمت کرتی تھی اُن دنوں اُن کے باقی رشتہ داروں سے میرے کافی اچھے تعلقات تھے۔ اُن کی ایک بھابی تو میرے ہی سکول میں سروس کرتی تھیں۔ اُن کی بھابی سے مجھے دو باتوں کا پتہ چلا ایک یہ کہ فارقلیط صاحبہ گوجرانوالہ میں بہت بڑے جامعہ کی پرنسپل ہیں دوسرا یہ کہ انھوں نے لیکچرر شپ چھوڑ کر دینی ادارے کی خدمت کو اس لیے ترجیح دی تا کہ آخرت کے لیے سرمایہ اکٹھا کر سکیں۔ اُن کے والد صاحب بھی بطور سینئر ہیڈ ماسٹر دینی اور دنیاوی لحاظ سے بطور مثالی مسلمان شہرت رکھتے تھے۔

فارقلیط صاحبہ کی بھابی کی اُن کے بارے میں اتنی اچھی باتیں سن کر میرے دل میں بھی فارقلیط صاحبہ کے لیے احترام کے جذبات پیدا ہو گئے جو شخص اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے دل میں ایسے شخص کی محبت ڈال دیتا ہے۔ اب تو مجھے اُن سے ملاقات کا شوق ہونے لگا۔

ایک دن ہمارے گھر میں پہلے سے طے شدہ اجتماع کا پروگرام چل رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک رعب دار سی شخصیت دوسری خواتین سمیت ہمارے گھر میں داخل ہوئیں۔ معلوم ہوا یہ تو وہی ہیں جن سے ملاقات کا مجھے مدت دراز سے انتظار تھا۔ میں نے فارقلیط صاحبہ سے خطاب کی درخواست کی جو انھوں نے قبول کر لی۔ اُن کے دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے جذبات نے میرے دل پر بہت اثر کیا۔ اب تو اُن سے میرا باقاعدہ تعلق بنا۔

تین چار مرتبہ اُن کی جامعہ جانے کا اتفاق ہوا۔ انھوں نے اتنے پیار اور خلوص کے ساتھ ساری جامعہ کا چکر لگوایا اور اساتذہ اور طالبات سے الگ الگ ملاقاتیں کروائیں کہ مجھ ناچیز کو اتنی عزت افزائی پر شرمساری سی محسوس ہونے لگی۔ انھوں نے مدرسے کی مالی پریشانیوں کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی امداد کے بہت سے واقعات سنا کر دلوں میں ایمان، صبر اور توکل کے جذبوں کو بڑھایا۔ اُن کے جامعہ میں تعلیمی اور تربیتی ماحول دیکھ کر مجھے بے حد رشک آیا۔ اپنی بے کار زندگی پر بے حد افسوس ہوا۔

میں سوچتی رہی کہ میری اس بہن نے آخرت کے لیے بہت کچھ ذخیرہ کر لیا اور میں ہر مہینے گورنمنٹ سے اتنی تنخواہیں لے کے دنیاوی ''گریڈ'' لیتی رہی۔ لیکچر سے پہلے یا بعد میں تربیتی و اصلاحی فقرے کہہ کر اپنے آپ کو مطمئن کرتی رہی کہ حق بندگی ادا کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہمارے مقابلے میں پیش کرے گا جنھوں نے آخرت کے لیے دنیا ٹھکرا دی تو ہم خدا کے حضور کیا عذر پیش کر سکیں

گے۔

محترمہ فارقلیط صاحبہ کے گلشن میں اللہ نے دو بیٹیاں عطا کیں انھوں نے ان دونوں کی بہت اچھی تربیت کی۔ ان کی دونوں بیٹیاں انشاء اللہ ان کے لیے صدقہ جاریہ بنیں گی۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی طرح بیٹے سے محروم رکھا۔ شاید یہ ثابت کرنے کے لیے کہ دین کی وراثت بیٹوں کے بغیر بھی آگے چل سکتی ہے۔ بیٹیاں جن کو رحمت قرار دیا گیا ہے یہ ایسا صدقہ جاریہ ثابت ہوسکتی ہیں جو آخرت میں اپنے والدین کو سرخرو کرسکتی ہیں، مجھے سابقہ مدیرہ ''نور'' محترمہ بنت مجتبیٰ مینا صاحبہ کے وہ الفاظ بڑے ہی اچھے لگے کہ میرے والد بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے میں نے یہ سوچا کہ یہ تو میری اپنے نبیؐ سے ایک نسبت ہوگئی وہ بھی یتیم اور میں بھی یتیم۔ علم، عقل اور حلم والے لوگ اپنی محرومیوں کو بھی بعض اوقات مثبت سوچ کے ساتھ اپنے لیے قابل فخر بات بنا لیتے ہیں۔ یہی ایک مسلمان کی شان ہے کہ وہ ہر غم اور پریشانی میں سے اپنے لیے خیر کا پہلو نکال لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیاوی رنج وغم مسلمان کے لیے معمولی چیز بن جاتے ہیں وہ اگر پریشان ہوتا ہے تو اس بات پر کہ کہیں کوئی اخروی نقصان تو نہیں ہو گیا۔ اس کی نماز قضا ہو جائے تو رب کے حضور رو رو کر معافیاں مانگتا ہے۔ ترجمہ قرآن کی کلاس کسی وجہ سے رہ جائے تو بھی اس کا غم کسی طرح ہٹنے نہیں پاتا۔ سارا سارا دن حسرت و پریشانی میں گزر جاتا ہے۔

بہن فارقلیط صاحبہ کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ ان کے دو بھائی ادریس صاحب اور الیاس صاحب بہت خیال رکھنے والے تھے انھوں نے اپنی بہن کو شوہر کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ یہ دونوں نہ صرف بھائی بلکہ دین اور دنیا کے ساتھی بھی تھے۔ لیکن کچھ ہی عرصے میں دونوں کی وفات اس اکلوتی لاڈلی بہن کے لیے بہت بڑا صدمہ تھی۔ یوں لگتا تھا کہ وہ اس صدمہ کو برداشت نہ کرسکیں گی۔ مزید آزمائش یہ پڑی کہ ان کی آنکھوں کا آپریشن ہوا جس میں ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔ اب میں نے سوچا کہ اتنی آزمائشوں کے بعد یہ دین کی سربلندی وسرفرازی کا کام نہ کرسکیں گی۔

لیکن بہنے والے دریا رکاوٹوں کی پروا کیے بغیر بہتے رہتے ہیں۔ ان صدموں کے بعد وہ کمزور اور بزرگ سی لگنے لگیں لیکن ان کے جذبے اور کام جوانوں کے سے رہے۔ وہ کامیابی کے ساتھ نہ صرف اپنا حلقہ چلاتی تھیں بلکہ دیگر جگہوں شہر اور دیہات میں بھی اپنے اندر کے جذبوں سے لوگوں کو گرماتی رہتی تھیں۔ جس کے لیے جس چیز کی ضرورت محسوس کرتیں فوراً مدد کرتیں۔ جب میں نے اُن سے ذکر کیا کہ میں چاہتی ہوں کہ میری بڑی بیٹی کا رشتہ کسی ایسی جگہ پر ہو جو دین پر چلنے والے تحریکی لوگ ہوں تو فوراً میرا یاسمین حفیظ سے رابطہ کروایا اور تمام امور خوش اسلوبی سے طے کروائے، خود ساتھ آئیں یہاں تک کہ یاسمین کے بھائی طاہر سے میری بیٹی کی شادی عین سادگی اور اسلامی طریقوں سے ہوگئی جو کہ آج کے دور میں ایک اچھی مثال ہے۔ اس کی روداد بھی ''بتول'' میں شائع

ہوچکی ہے۔ بہت سے لوگوں نے اس تحریر پر خوشی کا اظہار بھی کیا تھا۔ اس شادی سے متاثر ہوکر بہت سے باشعور لوگوں نے شادی کی فضول رسومات ترک کردیں۔

محترمہ فارقلیط صاحبہ کسی نیکی کے کام میں پیچھے نہ رہتیں۔ رمضان کے روزے کمزور صحت کے باوجود رکھے۔ جب بیٹی کہتی امی جان روزے نہ رکھا کریں، اجتماعات میں کم جایا کریں تو کہا کرتی تھیں مجھے نیکی کے کاموں سے نہ روکا کرو موت کا وقت مقرر ہے وہ جب آن پہنچتی ہے تو کوئی طاقت اسے نہیں روک سکتی۔

اپنی زندگی کے آخری دن سورۂ حج ترجمہ وتفسیر سے ختم کروائی۔ اُن کی وفات کے دن ہر شخص کی زبان یہ گواہی دے رہی تھی کہ کل روزے کے ساتھ اتنے اچھے طریقے کے ساتھ ہمیں قرآن مجید پڑھا رہی تھیں آج یہ اللہ کے حضور حاضری دے رہی ہیں۔ ان کی اپنے رب سے ملاقات رمضان المبارک کے بخششوں اور رحمتوں والے مہینے میں ہوئی۔

مجھے جب مسز طاہرہ صاحبہ نے اُن کی وفات کی اطلاع دی یقین نہیں آ رہا تھا۔ میری آنکھیں چھلک پڑیں۔ عائشہ بہورانی سمجھی کہ شاید کوئی قریبی عزیز وفات پا گئے ہیں۔ اُس نے فوراً پوچھا کون فوت ہوا؟ میں نے کہا بیٹا دین اور تحریک کا بہت نقصان ہوا۔ ہمارے بہت پیار کرنے والوں میں سے ایک اہم فرد چلا گیا۔

پتہ چلا جنازہ تین بجے ہے میں تو خبر سنتے ہی سمندری چلی گئی۔ میں ایک نیک شخصیت کے غسل میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کرنا چاہتی تھی۔ فوراً طاہرہ بہن کو ساتھ لیا اور ہم دونوں عین اس وقت وہاں پہنچے جب انھیں غسل کے تختہ پر لٹایا جا چکا تھا۔ چہرہ پرسکون اور جسم بالکل زندہ انسانوں کی طرح نرم۔ انھیں دیکھتے ہی یہ خیال بار بار آ رہا تھا کہ میری بہن نے جس دن کے لیے ساری عمر کھپا دی وہ آج آن پہنچا۔

مجھے فارقلیط صاحبہ پر رشک آ رہا تھا لیکن اُن کی بیٹی کا غم دیکھا نہ جاتا تھا جس کے لیے وہی ماں اور باپ تھی، وہی بھائی تھیں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ فارقلیط صاحبہ دور جنت کے مناظر بغور دیکھ رہی ہوں اور رشتہ داروں کو دیکھ رہی ہوں جن کی جدائیاں اُن کے لیے ناقابل برداشت تھیں۔ یہ آیت قرآنی بار بار زبان پر آ رہی تھی۔

ترجمہ: ''اے مطمئن روح چل اپنے رب کی طرف تو اُس سے راضی وہ تجھ سے راضی پس شامل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل میری جنت میں۔''

امینہ ناصرہ سراج*

اسلام آباد کے ایک تعلیمی ادارے میں

چمنِ بتول کے کچھ رنگ

کم و بیش تمام تعلیمی اداروں میں ہم نصابی سرگرمیوں کا اہتمام کسی نہ کسی انداز میں کیا جاتا ہے۔ہم نصابی سرگرمیاں طلباء وطالبات کے ذہن کو جلا بخشنے کے ساتھ ساتھ ان کی شخصیت کی تعمیر، کردار کی تشکیل اور صلاحیتوں کے نکھار میں ممد ومعاون ثابت ہوتی ہیں۔

دینی وتحریکی گھرانوں اور ان کے تحت قائم کردہ پرائیویٹ سکولوں/مدارس میں تو اکثر بزمِ ادب کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں اسلامی اقدار کے فروغ کے لیے حتی الامکان کوشش کی جاتی ہے لیکن حکومتی تعلیمی اداروں میں اکثر ماڈرن ازم (جدیدیت) کے نام پر مختلف تقریبات اور مقابلوں میں ناچ گانے کا عنصر شامل ہوتا ہے۔اس خرابی میں ہم اساتذہ اور منتظمین ادارہ برابر کے قصوروار ہوتے ہیں.....تاہم ہماری یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کی اصلاح کے لیے کچھ نہ کچھ اقدامات ضرور کیے جاتے رہیں۔

ہمارے کالج میں سکول کی سطح پر ہم نصابی سرگرمیوں کی تنظیم وتنسیق کے لیے چار ہاؤسز قائم ہیں جن کے مابین ہر سال مختلف علمی و ادبی اور تفریحی مقابلے منعقد کروائے جاتے ہیں۔کالج کی سطح پر یہ کام مختلف سوسائٹیاں سرانجام دیتی ہیں۔

چند سال قبل ہم نے گانوں کے مقابلے کی روایت کو توڑتے ہوئے ہاؤسز کے مابین اسلامی نظموں کا مقابلہ منعقد کروایا جس میں .....قرآن کی فریاد، ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور، دعوتِ حق کی کشتی رواں ہے اور دنیا کے اے مسافر.....جیسی نظمیں شامل تھیں۔

اسی طرح بین الکلیاتی مقابلوں میں کالج کی سطح پر ہم ہر سال ایک سیپارے کا کوئز کرواتے ہیں۔یہ سلسلہ ۳۰ویں پارے سے شروع ہوکر اب بفضل اللہ تعالیٰ ۲۳ ویں سیپارے تک پہنچ چکا ہے۔

اس سال سکول ہاؤسز کے درمیان جو مقابلے پیش کیے گئے ان میں مقابلۂ حسن قرأت، حمد، دعا، نعت خوانی اور کلامِ اقبال کے علاوہ سورۃ الانفال کا کوئز بھی شامل تھا۔

علاوہ ازیں اس سال ہم نے ایک نئے مقابلے کا آغاز کیا جو کہ کہانی سنانے کا مقابلہ تھا۔ اس میں جماعت ہشتم تا دہم کی طالبات نے حصہ لیا۔ مقابلے کے قواعد وضوابط کے مطابق ''کہانی'' اپنے الفاظ میں

زبانی سنانا تھا۔کہانی کے انتخاب کے لیے شرط یہ تھی کہ اسلامی، اخلاقی، معاشرتی اقدار کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی سبق آموز کہانی کا انتخاب کیا جائے۔ پہلا تجربہ ہونے کی بنا پر اگرچہ اساتذہ اور طالبات کو یہ کام ذرا مشکل دکھائی دے رہا تھا تاہم اللہ تعالیٰ کی توفیق ، اساتذہ کی رہنمائی اور طالبات کی محنت سے یہ مقابلہ دلچسپ رہا۔

چونکہ اپنے کالج میں ہم نصابی سرگرمیوں کی انچارج کی ذمہ داری مجھے ہی سونپی گئی ہے لہٰذا میری نظر انتخاب ادارہ بتول کی شائع کردہ کتابوں پر پڑی۔ زیادہ تر کہانیاں انہی کتابوں سے منتخب کی گئیں۔اس لیے میں نے سوچا کہ قارئین بتول کو بھی اِس خبر میں شریک کرلیا جائے جو کہانیاں منتخب کی گئیں وہ یہ تھیں:

(۱) مس چڑیا کی کہانی (خواجہ حسن نظامی)، (گیارہویں جماعت کی اردو کی کتاب سے) اول انعام حفصہ منور

(۲) ڈش کی فش (غزالہ ارشد)، (ٹھنڈی چھاؤں،ادارہ بتول)دوم انعام مہ نور فاطمہ

(۳) پائیں باغ..... بنت الاسلام (پائیں باغ، ادارہ بتول)سوم انعام وانیہ بتول

(۴) دکھی گاؤں ..... بنت الاسلام (پائیں باغ، ادارہ بتول) سُنبل

(۵) میں چپ رہوں گی ..... فرزانہ چیمہ(ٹھنڈی چھاؤں،ادارہ بتول)فضہ فاطمہ

(۶) سوکھے گلاب ..... حمنہ فاطمہ (ٹھنڈی چھاؤں،ادارہ بتول)عنبرین فاطمہ

(۷) شکایت ..... خورشید جمال (ٹھنڈی چھاؤں،ادارہ بتول)وردہ نور

(۸) چار سوال.....(قصہ چہار درویش)سروش فاطمہ

آئندہ ان شاءاللہ رسالہ نور کو بھی اس مقصد کے لیے استعمال کیا جائے گا۔

قارئین بتول سے دعاؤں کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام اساتذہ اور والدین کو اپنی اولاد کی اچھی تربیت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔(آمین)

☆☆☆

محشرِ خیال

قانتہ رابعہ۔ گوجرہ

بتول سال کا آخری شمارہ موصول ہوتے ہی Binding کے لیے دے دیتی ہوں اس لئے مفصل پڑھا نہیں جا سکا۔ بہرحال جتنا پڑھا اور ذہن میں ہے اسی پر تبصرہ حاضر ہے۔

اداریہ بہت اچھا ہے۔ اشعار کے ساتھ تشریح یا حالات کے تحت اشعار نے مزہ دیا۔ (مزوں کے تو غلام ہوئے ہیں اب!) مریم جمیلہ مرحومہ پر تحریریں سب جاندار ثابت ہوئیں یہ اللہ کا کرم ہے کہ جو اس کے لئے اپنا سب کچھ چھوڑتا ہے اللہ اس کے لئے سب کے دلوں میں محبت اور کشادگی ڈال دیتا ہے۔ ان کی صاحبزادی ماریہ کا مضمون گو کہ بتول کے علاوہ دیگر رسالوں میں بھی دیکھ چکی تھی۔ پھر بھی پڑھا اور بچشم نم پڑھا۔ جزاک اللہ ماریہ! اتنی عظیم ماں کی بیٹی ہونے کے ناطے آپ پر فرض ہے کہ اپنی ماں کی زندگی کی داستان اسلام کے پیدائشی ٹھیکیداروں کے لئے تحریر کریں۔ بہت بڑا جہاد ہوگا۔ آپ نے اس ماہ خواتین ڈائجسٹ میں مریم جمیلہ پر خراج عقیدت کا نوٹ پڑھا ہوگا، کس طرح سے حق اپنے آپ کو منوالیتا ہے اور باطل پرستوں کے سینے پر مونگ دلنے کا باعث بنتا ہے!

میری مدیرہ بتول اور ماریہ بیٹی دونوں سے گزارش ہے کہ بتول کے چند صفحات ان کی یاد میں ضرور مخصوص کیے جائیں اور بعد ازاں اسے کتابی شکل دی جائے۔

فرزانہ چیمہ کا مضمون بھی مریم جمیلہ سے ان کی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مضمون پر خاصی محنت کی گئی ہے۔ جزاک اللہ فرزانہ!

مریم جمیلہ کے علاوہ ایک اور چیز ماہ رواں کے شمارے میں غیر متوقع ہے۔ اور وہ ہے محشر خیال میں محترمہ شاہدہ اکرام کی آمد۔ ان کی اتنی اچھی تحریر پڑھ کر ذہن میں بے ساختہ تجویز آئی کہ ماضی میں ماہنامہ بتول کے ہر شمارے پر مفصل تبصرہ کا کام پروفیسر اسرار احمد سہاوری صاحب کیا کرتے تھے۔ کاش یہ ''کارِ عظیم'' شاہدہ اکرام اپنے ذمہ لے لیں۔ لیکن ایک شرط کے ساتھ کہ ''سب اچھا'' کی بجائے بے لاگ تبصرہ۔ جزاک اللہ شاہدہ باجی!

بے لاگ تبصرہ سے ایک بات اور ذہن میں آتی ہے کہ دسمبر کے اسی شمارہ میں آسیہ راشد کے سلسلہ وار مضمون ''نامور خواتین'' میں ام جمیل زوجہ ابولہب کے حالات زندگی شامل ہیں۔ فہرست دیکھ کر ایکدم ذہن میں یہ مصرعہ آیا

؎ بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

لیکن سنجیدگی سے عرض ہے کہ نامور خواتین سے مراد صرف وہ خواتین اور ان کے حالات زندگی ہونا چاہئیں جن

کواللہ ناموری عطا کرتا ہے۔آسیہ بہن کوایک فہرست بنانی چاہیے تھی سب سے پہلے وہ چارخواتین جن کو حدیث مبارکہ میں کامل قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد امہات المومنین۔ پھر خلفائے راشدین کی زوجہ محترمات کے بعد نامور صحابیات۔ یہ اللہ کی بددعا اور پھٹکار والی ام جمیل کہاں سے ٹپک پڑی۔

حصہ نثر میں افسانے ابھی نہیں پڑھ سکی اس لئے ان پر تبصرہ ممکن نہیں۔ نصرت یوسف کا انداز تحریر خوش آئند اضافہ ہے موضوعات عام بھی ہوں لیکن ان کا مخصوص انداز اسے جاندار بنا دیتا ہے۔

کبھی کبھار بتول کا خاص نمبر بہت سے قارئین کے دل کی آواز ہے۔ اعلان آپ کریں اللہ نے چاہا تو جتنا ہوسکا تعاون کروں گی۔

☆شکریہ قانتہ! سلسلے کا نام نمایاں خواتین کا تذکرہ ہے۔ص!

☆☆☆

<u>امینہ سراج - اسلام آباد</u>

نومبر کے رسالے کا ابھی تک مطالعہ گہرائی سے نہیں کرسکی ہوں۔ لہٰذا اگر تبصرے میں تاخیر پر کوئی اعتراض نہ ہو تو اکتوبر کے چمن بتول کے بارے میں کچھ عرض کردوں۔

''انوارِ ربانی''میں ''دُعا'' کے نام سے ڈاکٹر مقبول احمد شاہد کی ایمان افروز اور عمل انگیز تحریر ہر ماہ روح کی تربیت میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ امید ہے کہ یہ تحریر مکمل ہوجانے کے بعد کتابی صورت میں بھی شائع کی جائے گی۔ اکتوبر میں شائع ہونے والا اس کا حصہ حاجیوں کے لیے بہت مفید ہوسکتا تھا لیکن بعض حاجی حج کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ لہٰذا میری تجویز ہے کہ اس طرح کے مضامین جیسے ڈاکٹر ام کلثوم کا مضمون بھی تھا ''حج اور عمرہ کے آداب'' ذیقعد/ذی الحج کی بجائے شوال میں ہی شائع کردیے جائیں (کیونکہ رسالہ بھی اکثر دیر سے ہی موصول ہوتا ہے) تاکہ حج پر جانے والے لوگ ان سے استفادہ کرسکیں۔ نومبر کے رسالہ میں ڈاکٹر صاحب نے دعا سے تقدیر بدل جانے کے مسئلہ کو بہت اچھی مثالوں سے واضح کیا ہے۔

صائمہ اسماء کا اداریہ تو ہر ماہ ہی لاجواب ہوتا ہے۔ ماشاء اللہ حالاتِ حاضرہ پر کڑی نگاہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اظہارِ بیان اور اندازِ تحریر بھی خوب ہے۔ اللہ کرے چمن بتول تادیر ان کی تحریروں کی خوشبو سے مہکتا رہے۔

اکتوبر کے مہینے میں بتول فائل سے منتخب کیا جانے والا ناہید زاہد کا افسانہ تپش دل خوب تھا۔ حسن انتخاب کی داد دینا بھی اس لیے ضروری ہے کہ ان حالات میں جبکہ امت مسلمہ توہین رسالت کے ایک اور زخم کے درد میں مبتلا تھی، اس افسانے کی اشاعت بہت اچھی رہی۔ (ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی) عشق رسولؐ کی چنگاری ہر مسلمان کے دل میں کہیں نہ کہیں موجود ہوتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان

چنگاریوں کی بدولت امت مسلمہ کے افراد کے دلوں میں اتحاد کی تپش اور بیداری کی لہر پیدا کرے نہ کہ فساد کی آگ اور غفلت و مدہوشی۔ آمین

☆☆☆

رفعت اشتیاق- گوجرہ

حج بیت اللہ کی سعادت پانے والے بتول کے قاری اور قلمکار میری طرف سے مبارکباد قبول کریں۔ زہرا نہالہ صاحبہ دیر آید درست آید ''حرم کی دُنیا'' میں حرم شریف کی دلفریب دنیا کی جھلک دکھانے کا بے حد شکریہ۔ ''خالی دامن'' راشدہ سعید کی تحریر اس دفعہ کا بہترین افسانہ، آج اور کل، ماضی و حال، مشرق و مغرب کو کس خوبصورتی سے الفاظ کے دامن میں لپیٹا ہے۔ ام ایمان کی ''واپسی'' فلسطینی مسلمانوں کے دکھوں کی داستان لیکن اب جو کچھ کراچی میں ہو رہا ہے مسلمان ہی مسلمان کا گلا کاٹ رہا ہے۔ ایسے موضوعات پر ضرور لکھنا چاہیے کہ شاید سوئے ہوئے ضمیروں کی بیداری کا کچھ سامان ہو جائے۔ نصرت یوسف کا ''پانیوں پر قدم''، سارہ اسماعیل کا ''اعتراف'' یقیناً بتول نے نئی نسل کی تربیت کا حق ادا کر دیا۔ شمیم فاطمہ کا انشائیہ ''میرا رب ضرور سنتا ہے'' دعا و پکار کی اہمیت اور تعلق باللہ کی بہترین کسوٹی۔ شہود ہاشمی صاحب کا ''ہر گلی کوچے میں بازار لہو گرم ہوا'' پڑھ کر ندامت محسوس ہوئی کہ ہم اپنے وطن میں رہتے ہوئے بھی اس سوچ کے حامل نہ ہوئے بہرحال آخر میں اُن کی دُعا میں ہم سب شامل ہیں آمین ثم آمین۔ تدریس قرآن کے سلسلے میں ڈاکٹر آسیہ شبیر منصوری نے بہت سی ایسی باتیں جو ہمارے ذہن میں تھیں لیکن اِسے تحریر میں لانے سے قاصر رہے کہہ دیں۔ لکھتی ہیں:

ان سارے فوائد کے باوجود ایک پہلو بڑا ہی اہم ہے جو تدریس قرآن کی ذمہ داری اٹھانے والی خواتین سے متعلق ہے کہ کیا وہ اُس مناسب اور حتی المقدور تیاری کا اہتمام کر لیتی ہیں جو اس اہم ترین فریضے کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے؟

☆☆☆

حسینؓ بننے کے لیے یزید کی ضرورت رہے گی!

ہماری تاریخ میں کچھ شخصیات ایسی پائی جاتی ہیں جن کا نام سنتے پڑھتے ہی عقیدت ومحبت کی بجائے رنج اور صدمے کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ انہی میں ''حجاج بن یوسف'' بھی شامل ہے۔

دل میں عجیب سی گھٹن کا احساس ہونے لگتا ہے ..... کتنے قیمی لعل ویاقوت اس شخص کے ہاتھوں مٹی میں دفن ہو گئے۔ ایک دن تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے حجاج بن یوسف کے خلاف جذبات بہت برانگیختہ تھے۔ کئی دن تک یہی کیفیت رہی۔ اللہ تعالیٰ سے سکونِ قلب کی درخواست کی۔

دل میں بہت سے سولات نے سر اٹھایا..... ہر مسلمان اچھے برے اعمال کرتا ہی رہتا ہے۔ کیا حجاج بن یوسف نے کوئی اچھا کام نہ کیا؟ کیا اس کے اچھے اعمال اس کے ظلم پہ بھاری اور حاوی ہو سکتے ہیں؟ قلب وذہن میں عجیب ہی کشمکش ہونے لگی۔ جو مسلمان دنیا سے رخصت ہو گیا اس کے ظلم کا دور بھی ختم ہو گیا۔ جن پر اس نے ظلم کیا وہ تو شہادت پا گئے اور یہی تو ان کی زندگی کی مراد ہو گی اپنی مراد اور اپنا مطلوب ومقصود حاصل کر کے بھلا وہ کیوں حجاج سے خفا ہوں گے؟ ہو سکتا ہے وہ اس کے شکر گزار ہی ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حضور جا کر اپنے اوپر ظلم ہونے کے عمل کو معاف ہی کر دیں۔ ہر عالی مرتبت کو جو مرتبہ ملا، جو اس کی وجہ بنا، عالی ظرف تو اس کو کسی اور ہی نظر سے دیکھیں گے۔

دل نے یہ بھی باور کرایا کہ حجاج کو جتنا برا بھلا کہہ لیا گیا اور کہا جا تا رہے گا شاید اس کے گناہوں کی تلافی ہو ہی جائے۔ قوم وملت پہ اس نے ظلم کیا تو قوم وملت نے اس کو وہ احترام بھی نہ دیا..... ہوسکتا ہے میزان میں کچھ ایسے اعمال وزنی ہو جائیں جو اس کی نجات کا باعث بن جائیں۔ ایک مظلوم بیٹی کی فریاد رسی ہی شاید اس کی مغفرت کا باعث بن جائے۔

لاکھوں کروڑوں مسلمان جس قرآن پاک سے تلاوت کرتے ہیں ان پر نقطے سرکاری طور پر لگوانے کا کارنامہ حجاج بن یوسف کا ہی ہے (عموماً لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن پاک کے اعراب بھی حجاج نے لگوائے۔ اس نے صرف نقطے لگوائے تھے۔ اعراب لگانے کا کارنامہ خلیل بن احمد الفراہیدی کا ہے) اور جس کعبۃ اللہ کے گرد کروڑوں مسلمان طواف کرتے ہیں اس کی آخری تعمیر اسی کے ہاتھوں ہوئی۔ اگرچہ تخریب کا باعث بھی وہ خود ہی تھا۔ مسلمان کے بارے میں گمان اچھا ہی ہونا چاہیے کہ حجاج کی نیت اس نیک عمل میں نیک ہی ہو گی۔ تخریب اور ظلم کا دور اس کی وفات کے ساتھ ختم ہو گیا مگر اس کی نیکیوں کا فیضان جاری ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ ہر انسان اچھے برے اعمال کا مجموعہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس کے اچھے اعمال پائیدار اور ابدی ہیں اور کس کے گناہوں کا وبال جاری وساری ہے۔ دونوں کے درمیان فیصلہ کرنا اسی مالک یوم الدین کے اختیار میں ہے اور یقیناً وہی حساب کرنے اور حساب لینے کے لیے کافی ہے۔

ہمارے ارد گرد جتنے رشتے اور تعلقات ہوتے ہیں ان کے درمیان یہی اچھائی اور برائی کی میزان اپنے دونوں پلڑے میں اونچ نیچ کا عمل جاری رکھتی ہے۔ ہم عدل و توازن کی نگاہ سے دیکھیں اور اپنے اعمال کا محاسبہ اور جائزہ لیتے رہیں تو دوسروں کے عیب ہلکے لگنے لگیں۔ ہم نہیں جانتے کس بندے کا کون سا عمل اللہ تعالیٰ کی نظر میں قبول ہو چکا ہے۔ اگر ابھی نہیں نظر آتا تو ہوسکتا ہے آئندہ کبھی اس خیر وشر کے پتلے سے خیر کا چشمہ جاری ہو جائے اور وہ اللہ کی نظر میں پسندیدہ ہو جائے ..... جب ہم جانتے ہی نہیں کہ کب کس کو درجہ قبولیت پہ رکھ لیا جائے گا تو پھر نیک و بد کا فیصلہ ہمارے اختیار میں کہاں رہ جاتا ہے؟

اسی طرح آج کے دور میں بہت سے ناموں میں سے ایک نام مصر کے سابق آمر حکمران جمال عبدالناصر کا ہے۔ قاہرہ میں جب ہمیں گائیڈ اس کے مقبرے پہ لے گیا تو میری اتنی عجیب کیفیت ہوئی کہ جس کو بیان کرنا مشکل ہے۔ میں دعائے مغفرت کے الفاظ ہی بھول گئی۔ کبھی خیال آتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ذہن سے دعا کے الفاظ نکال دیے ہیں۔ وہ اس قابل ہی نہیں۔ ضمیر کہتا کہ وہ مسلمان تھا کلمہ گو تھا مغفرت کی دعا اس کا حق ہے۔ اسی کشمکش میں مجھے نہیں سنائی دیا کہ گائیڈ نے کیا کچھ کہہ دیا ہے۔

گاڑی میں بیٹھ کر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا ..... اور زبان سے پھر بھی یہی نکلا ..... ''اے اللہ! سب مسلمانوں کی مغفرت فرما..... شہیدوں کے درجے اور زیادہ بلند فرما۔''

اس بات کے کچھ دن بعد عمر تلمسانی کی کتاب پڑھنے کا اتفاق ہوا جس میں انھوں نے بہت خلوص اور یقین کے ساتھ جمال عبدالناصر کی مغفرت کی دعا کی اور اُس کے ظلم کو معاف کر دینے کا اظہار کیا تھا۔ میں سوچتی ہوں وہ ایمان و توکل اور وسیع القلبی کا کون سا اعلیٰ درجہ ہوتا ہے جو عافیہ صدیقی جیسی مظلوم عورت انتہائی ظالمانہ فیصلہ سن کر بھی معاف کر دینے کا اعلان کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خاص چنے ہوئے بندے ہی صبر کرتے معاف کرتے اور اولوالعزم لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔"ولمن صبر وغفر ان ذالك لمن عزم الامور '(الشوریٰ:۴۳)

واقعی ہم جیسے لوگ اتنے بلند ہو کر نہیں سوچتے، اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک نظام بنایا ہے جس کو آزمایا جاتا ہے اُسے آزمائش میں ڈالنے کے لیے اس رب کو یہی کائنات، اپنے ہی بندے، اپنی ہی مخلوق چاہیے ہوگی ..... کسی کو بھی ''حسین'' بننے کے لیے ایک ''یزید'' ہر دور

میں درکار رہوتا ہے۔ اور یہ معاملہ ہر گھر، معاشرے اور قوم میں رہتا ہے۔ تا کہ اچھائی برائی، حق و باطل کی پہچان برقرار رہے۔ یہ انسانوں کے اپنے اعمال کی خوش قسمتی یا بدقسمتی ہے کہ وہ حق کی پہچان کرتے ہیں یا باطل کی۔ کسی بھی ظالم کے ظلم اور فاسق کے عمل بد پہ کون سا مسلمان خوش ہوسکتا ہے؟ مگر دوسری صورت یہ بھی باور کراتی ہے کہ کون کس کے نقش قدم پر چلتا ہے، کون ہے جو عبرت و نصیحت پکڑتا ہے۔

اخروی دنیا کے معاملات ہماری فکر و تصورات سے بالکل مختلف ہیں..... اللہ تعالیٰ سے اعلانیہ بغاوت کرنے والے کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ان کے ساتھ جو سلوک چاہے روا رکھے۔ بندوں پر بندوں کے ظلم کا معاملہ بندے ہی معاف کر سکتے ہیں۔ جن کے دل کشادہ، جن کی نظر وسیع، جو اللہ کے بندوں کے خیر خواہ ہوتے ہیں وہ معاف کر دیتے ہیں۔ وہ یقیناً معاف ہی کر دیں گے۔ ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ صفت کو اپنانے والے اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوبؐ کی زندگی جو ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہے یہی سکھاتی ہے کہ طائف کے شدائد ہوں یا فتح مکہ جیسا سنہری موقع انتقام و بدلہ لینے کا ایسے وقت میں بھی معاف کر دینا ہی اللہ تعالیٰ کے محبوب کی شان ہے..... اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں سے کیا سلوک کرتا ہے یہ اس کا معاملہ ہے مگر معاف کر دینے کا اجر تو محفوظ رہے گا۔

ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوبؐ کا قرب اور محبت چاہیے تو اپنے اردگرد متعلقہ رشتوں کی زیادتیوں کو معاف کرنے کا ارادہ مستحکم کرنا ہوگا..... اس مشکل گھاٹی کو عبور کرنے کے بعد قلبی اطمینان کی جو دولت حاصل ہوگی اس کا کوئی بدل نہیں..... کیا ہم سب نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرما دے؟ کسی چاہت کو پانے کے لیے کچھ نہ کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے، محنت مشقت کرنا پڑتی ہے..... جتنی چاہت قیمتی ہوتی ہے محنت بھی اسی قدر کرنا ہوتی ہے۔ اپنے دل کے میلان، منفی خواہشات و جذبات کو مارنا پڑتا ہے۔ ایک بار معاف کر دینے کی لذت سے آشنائی حاصل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا ہاتھ تھام لیتے ہیں۔ دل کو قرار، روح کو سیرابی حاصل ہو جاتی ہے۔ انتقام کی فضا اور سوچ ختم ہو جاتی ہے۔ معاشرے میں سکون، دنیا امن کا گہوارہ بن جاتی ہے۔

تو کوئی ہے جو دنیا میں امن و سکون کے لیے آج اور ابھی سے اپنا حصہ ڈالے اور اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جائے؟؟

☆☆☆

زمین کے تیور ہی کچھ اور ہیں

پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جس کی پیدائش سے لے کر آج تک 65 برسوں میں اس کے وجود کے خلاف جتنا لکھا گیا، نفرت بھری زہر آلود زبانوں سے جتنا بولا گیا اور اس کے خاتمے کی جتنی پیش گوئیاں کی گئیں، دنیا کے کسی بھی ملک کے خلاف اس بہتات سے ایسا نہیں کیا گیا۔ اس مملکت خداداد میں جس کے ہاتھ میں قلم، منہ کے سامنے مائیک اور چہرے کے سامنے کیمرہ آیا، اس نے اسے ناکام، بے کار اور ناقابل اصلاح ملک بتاتے ہوئے اس کے خاتمے کی پیش گوئیاں شروع کر دیں۔ جن لوگوں کو اس ملک نے اقتدار کی مسند پر بٹھایا، جن کی حفاظت کے لیے ماؤں نے اپنے بیٹے قربان کیے، جن کی سواری کے گزرنے پر لوگ گھنٹوں سڑکوں پر اذیت برداشت کرتے رہے، ان کے ذاتی مفاد پر ضرب لگی تو انہوں نے ایک ہی بات کہی کہ اس ملک کی بنیاد خطرے میں ہے، یہ ٹوٹ جائے گا۔ جن لوگوں کو اس ملک کے مسکین محتاج، غریب ٹھیلے والے، ریڑھی اور کھوکھے والے بھی محبت میں ووٹ دیتے رہے یا پھر خوف کے عالم میں بھتے، فطرانے اور کھالیں نذر کرتے رہے، انہوں نے بھی جب بات کی، جب تجزیہ کیا، جب ذرا حالات میں سختی آئی، ایک ہی فقرہ دہرایا، یہ ملک خطرے میں ہے۔

قلم کے میدان کے شاہسوار تو بلا کے ہیں۔ جب تک یہ لوگ اس ملک میں روکھی سوکھی کھا کر قلم کی عصمت وعزت کی حفاظت کرتے تھے، جب ان کے گھروں میں چراغوں کی لو مدھم ہوتی تھی، وہ اپنی بنیادی ضروریات بھی مشکل سے پوری کرتے تھے، ان کی محبت اس دھرتی کے ساتھ دیکھنے والی تھی۔ لیکن جیسے ہی اس قوم نے ان کی جیبوں کو مالا مال کرنا شروع کیا، ان کی رہائش گاہیں چھوٹے اور متوسط طبقے کے علاقوں سے امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ والے علاقوں میں منتقل ہونا شروع ہو گئیں، نئے ماڈل کی گاڑیاں ان کی سواری کے لیے میسر آنے لگیں، انہوں نے ڈیزائنر سوٹ پہننے اور مہنگی خوشبوئیں لگانا شروع کیں، ٹی ہاؤس، کافی ہاؤس، لکشمی چوک کے چائے خانوں اور کسی بھی شہر کے چینکی ہوٹلوں پر چائے پینے کی بجائے فائیو سٹار ہوٹلوں کی لابیوں میں لذتِ کام ودہن کا آغاز کیا، ان کا اس ملک کی طرف دیکھنے کا انداز ہی بدل گیا۔ انہیں یہ ملک ایک گلی سڑی تعفن زدہ عمارت محسوس ہونے لگا جہاں ان ''عظیم'' اہل قلم کا دم گھٹتا تھا۔ ان کے ڈرامے عام آدمی کے دکھوں، مصیبتوں اور رنجشوں سے خالی ہو گئے۔ ان میں عام آدمی کے دلوں میں پروان چڑھنے والے ننھے ننھے خواب اور محبتیں معدوم ہو گئیں۔

اب ان کی جگہ دولت کے نشے میں ڈوبے معاشرے نے لے لی، جہاں ایک کی بیوی دوسرے کے خاوند سے اور دوسرے کی بیوی شہر کے کسی خوبصورت نوجوان سے آشنائیاں کرتی نظر آتی ہے۔ نظموں، غزلوں، افسانوں، ڈراموں تک سب کا ماحول ہی بدل گیا۔

تبصرہ نگاری شروع ہوئی تو صرف اپنے ملک کی غلاظت ہی لوگوں کو نظر آئی اور دوسرے ملکوں کی ترقی اور خوشحالی کی مثالیں دی جانے لگیں۔ کوئی ان سے کہتا کہ اس ملک میں بھی بہت سی برائیاں ہیں۔ وہاں کے انسان کی تنہائی، کرب، اذیت اور دکھ بیان کرو تو میرے جیسے دقیانوسی شخص کی طرف ایک ایسی نظر ڈالی جاتی جیسے اس جاہل کو کیا پتہ، اور پھر کہتے دوسروں سے کیا مطلب، ہماری اپنی برائیاں اتنی ہیں کہ ان سے ہی ہم نمٹ نہیں سکتے۔ کسی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ یہ قوم نسلی طور پر بانجھ ہے۔

یہ سب کے سب سیاسی لیڈر، بیوروکریٹ، جرنیل، دانشور اس ملک کے ان علاقوں میں رہتے ہیں جن پر دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کا گمان ہوتا ہے۔ ان کو ملک کے اٹھارہ کروڑ عوام نے ہر آسائش مہیا کی ہے۔ ان کا کبھی کوئی کام نہیں رکتا۔ اس ملک میں ہر سفارت خانہ ان کے پاسپورٹوں پر چند منٹوں میں ویزے لگا دیتا ہے۔ ان کے گھروں میں گیس، بجلی، پانی بند ہو جائے تو محکموں کی جان پر بن آتی ہے۔ یہ اشارہ کاٹ کر گزر جائیں تو سارجنٹ خوف سے انہیں کچھ نہیں کہتا۔ لیکن یہ کمال کے لوگ ہیں کہ اپنی نجی محفلوں سے لے کر تحریروں اور ٹیلیویژن تبصروں میں جب بھی موقع ملے گا بس ایک ہی فقرہ دہرائیں گے، یہ ملک نہیں بچ سکتا، یہ قوم نہیں سدھر سکتی۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی اولادوں کی تعلیم کے لئے علیحدہ سکول، کالج اور یونیورسٹیاں موجود ہیں۔ جن کے علاج کے لئے بہترین ہسپتال وجود میں آ چکے ہیں۔ جنہیں اس قوم نے اس قدر وسائل مہیا کر دیئے ہیں کہ وہ اپنے بچے بیرون ملک پڑھائیں اور اپنا علاج بیرون ملک کروائیں لیکن پھر بھی ان کی زبان اس ملک کی موت کا نوحہ کہتے نہیں تھکتی۔

ہم وہ واحد بدقسمت ملک ہیں جہاں کا دانشور ایسی گفتگو کرتا ہے۔ جنوبی کوریا پر فوج نے بار بار اقتدار قبضہ کیا، وہاں کے صوبوں کے درمیان کشمکش جاری رہتی ہے، وہاں انیس سال میں پچیس وزیراعظم آئے لیکن کسی نے نہیں لکھا کہ یہ ملک ٹوٹ جائے گا۔ انڈونیشیا جو جزائر پر مشتمل ایک ملک ہے، جہاں امریکی اشیر باد سے ایک جرنیل سوہارتو نے ملک پر قبضہ کیا اور ایک اندازے کے مطابق پانچ لاکھ لوگوں کو قتل کیا لیکن کسی نے یہ نہ کہا یہ ملک اب تباہ و برباد ہو کر ختم ہو جائے گا۔ افغانستان جیسا پسماندہ ملک جس میں تاجک، ازبک اور پشتون لڑائی صدیوں سے چلی آ رہی ہے، جو صرف دو سو سال پہلے ایک اکائی میں تبدیل ہوا، جہاں گزشتہ تیس سال سے خانہ جنگی ہے، اس ملک کے سیاستدانوں، دانشوروں اور ادیبوں نے کبھی یہ ''کلمۂ خیر''

منہ سے نہیں نکالا کہ یہ ملک تقسیم ہوجائے گا۔ ایسا تبصرہ اگر کسی نے کیا بھی تو وہ امریکی اور مغربی دانشور تھے، جن کی یہ خواہش تھی۔

عراق جہاں کردوں کی جنگ مدتوں جاری رہی، جہاں شیعہ سنی تفریق اس قدر گہری ہے کہ دونوں گروپوں نے ایک دوسرے کا بے تحاشا خون بہایا، جسے تقسیم کرنے کے لیے پوری مغربی دنیا اور عالمی طاقتیں سرتوڑ کرششیں کرتی رہیں لیکن آج تک وہاں کے ادیب، شاعر یا دانشور نے یہ نعرہ بلند نہیں کیا۔ ایران جہاں مادری زبان فارسی بولنے والے صرف 47 فیصد ہیں جہاں کرد، عرب، تاجک، ازبک، ترک اور بلوچ آباد ہیں۔ جہاں اکثریت کی فقہ نافذ ہے اور دوسرے فقوں کے لوگوں کو اپنی عید یا جمعہ پڑھنے کی آزادی نہیں، لیکن مجال ہے کہ وہاں کسی شخص نے یہ نعرہ بلند کیا ہو کہ ایران ٹوٹ جائے گا، صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔

جنوبی امریکہ کے ممالک جن پر تین دہائیاں قیامت کی گزریں، لاکھوں قتل کیے گئے اور لاکھوں ہی لاپتہ ہوگئے۔ امریکی کی پشت پناہی سے فوجی ڈکٹیٹر لوگوں کا خون پانی کی طرح بہاتے رہے لیکن کسی تبصرہ نگار، سیات دان یا دانشور نے یہ نہیں کہا کہ چلی، نکارا گوا، ہنڈراس، برازیل یا کوئی اور ملک بس اب ختم ہونے کو ہے۔ ان ملکوں میں تو جمہوریت بھی نہیں تھی کہ دانشور کہتے کہ جمہوریت ملک کو ایک نہ ایک دن بچالے گی۔

بھارت کے دانشوروں، ادیبوں، شاعروں اور سیاستدانوں کی گفتگو سنتا ہوں تو حیرت میں ڈوب جاتا ہوں۔ جس ملک میں صرف کشمیر میں ایک لاکھ کے قریب شہدا کی قبریں ہوں، جہاں 19 کے قریب ریاستوں میں علیحدگی کی تحریکیں چل رہی ہوں، جہاں بیس کروڑ مسلمان شودروں کی سی زندگی گزار رہے ہوں، جس ملک کے دو منتخب وزیراعظم قتل کردیئے گئے ہوں، وہاں کوئی شخص، کوئی ٹیلیویژن چینل، کوئی سیاستدان یا کوئی دانشور یہ کہنے کی جرأت نہیں کرپاتا کہ اب بھارت ختم ہوجائے گا، اس ملک کا وجود خطرے میں ہے۔

میرے ملک پر سیاست دانوں، بیوروکریٹوں اور دانشوروں کی یہ عنایات کیوں ہیں؟ ہم کیوں لوگوں کو اس کے مستقبل سے مایوس کرتے ہیں؟ ہم کیوں اس کے خاتمے کی خواہش کرتے ہیں؟ صرف اس لئے کہ دنیا کے دوسو ممالک میں یہ واحد ملک ہے جس نے قومیت کے دانشوری نظریے، رنگ، نسل، زبان اور علاقے کا انکار کرکے اللہ کے نام پر ملک بنایا تھا۔ اس کا یہ قصور کئی معاف کرنے کو تیار نہیں۔ جن لوگوں کا ایمان، رنگ، نسل، زبان اور علاقے کئی قومیت پر ہے ان کو سکھ کی نیند اور چین کا جینا اس وقت نصیب ہوگا جب دوسو ملکوں کے اس گلستان سے اللہ کے نام کی تختی والا یہ ملک نہ رہے۔

لیکن شاید بہت ہوگئی۔ اللہ جس کے نام پر یہ ملک بنا تھا اس نے بہت وارننگ دے دیں۔ آسمان سے پانی برسا، شہر برباد ہوئے، لوگوں کے دلوں میں نفرتیں آئیں، انہوں نے ایک دوسرے کا گلا کاٹ کر عذاب کا

مزا چکھا، ہم نہیں سنبھلے۔ اب اہل نظر زمین کی جنبش محسوس کررہے ہیں۔ زمین ہلتی ہے تو گھروں میں بیٹھے گناہوں میں ڈوبے، اللہ کا انکار کرنے والے، سب کے سب کلمہ طیبہ کا ورد کرنے باہر کو دوڑتے ہیں، اسی رب کی پناہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں جس کا انکار کرتے ہیں۔

☆☆☆

فرزانہ چیمہ

اشاریہ ماہنامہ ''چمن بتول'' 2012ء

(جلد نمبر 9، شمارہ نمبر 5 تا جلد نمبر 10، شمارہ نمبر 4

موضوعات		قلمکار	مہینہ
اداریہ	ابتداء تیرے نام سے	صائمہ اسما	ہر مہینے
انوار ربانی	ایصال ثواب	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	جنوری
	اسلام: امن اور خوشحالی کا دین	عظمیٰ پروین	فروری
	صبر	〃	مارچ
	قیامت کی گھڑی	〃	اپریل
	آخرت پر ایمان	حمیرا خالد	مئی
	تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے	پروفیسر رضیہ خان	جون
	حکومت الٰہیہ	عظمیٰ پروین	جولائی
	روزہ اور تقویٰ کا حصول	افشاں نوید	اگست
	دعا (4 اقساط میں)	ڈاکٹر مقبول احمد شاہد	ستمبر تا دسمبر
قولِ نبی ﷺ	سراج منیرؐ	عظمیٰ پروین	جنوری
	آغوش نبوتؐ کی پروردہ ہستیاں	〃	فروری
	بچوں کے حقوق	ڈاکٹر مقبول احمد شاہد	مارچ
	صحت ایک نعمت	ڈاکٹر عبداللہ محسن	اپریل
	عیادت ایک سعادت	〃	مئی۔جون
	شبِ برأت	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	جولائی
	رمضان میں قیام اللیل	〃	اگست
	اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ (3 اقساط)	ڈاکٹر فضل عظیم	ستمبر۔نومبر
	دنیا ایک سرائے	افشاح نوید	دسمبر
خاص مضمون	خاندانی منصوبہ بندی	امجد عباسی	جنوری

موضوعات	عنوانات	قلمکار	مہینہ
	کشمیری خواتین	میمونہ حمزہ	فروری
	خواتین کے حقوق کے استعماری ایجنڈے	افشاں نوید	مارچ
	شہد کی مکھی ہمیں کیا سکھاتی ہے؟	فریدہ خالد	اپریل
	بنت مجتبیٰ مینا کے فکری وشعری محاسن	پروفیسر ڈاکٹر شاہد یوسف	مئی
	ذرائع ابلاغ کے ذریعے دنیا پر قبضہ کا خواب	میر بابر مشتاق	جون
	عورتوں کے ازدواجی حقوق	صبا نزہت	جولائی
	قائداعظم کیسا پاکستان چاہتے تھے؟	مرتبہ: فرزانہ چیمہ	اگست
	آہ! برما کے مسلمان	ڈاکٹر آسیہ شبیر منصوری	ستمبر
	حج وعمرہ کے آداب	ڈاکٹر اُمّ کلثوم	اکتوبر
	تدریسِ قرآن مجید کے تقاضے	ڈاکٹر آسیہ شبیر منصوری	نومبر
	مریم جمیلہؒ: علم وعمل میں یکتا	فرزانہ چیمہ	دسمبر
	میری والدہ (مریم جمیلہؒ)	ماریہ خانم	دسمبر
نوائے شوق			
حمدیہ	حمدِ باری تعالیٰ	شمیم فاطمہ	جنوری
	حمدیہ	ام عبد منیب	اپریل
	حمدیہ قطعات	عنایت علی خان	دسمبر
نعتیہ	نعت رسول ﷺ	اسرار احمد سہاروی، شہود ہاشمی، عذرا مریم خان، شمیم فاطمہ،	مارچ، ستمبر، اکتوبر، نومبر
نظمیہ	ایک الجھن ہے	شمیم فاطمہ	جنوری
	عجب گھڑی تھی	نجمہ یاسمین یوسف	جنوری
	جدید ساقی نامہ	فرزانہ چیمہ	جنوری
	محبت	نجمہ یاسمین یوسف	فروری
	ترانۂ کشمیر	پروین سیف	فروری
	خزاں رسیدہ شاخ کی دعا	ڈاکٹر نزہت اکرام	مارچ
	امن وامان سوغات ہے	نجمہ یاسمین یوسف	مارچ
	بیٹیاں	شمیم فاطمہ	مارچ
	کہ بس فرصت ہی نہیں ملتی، وفا	عذرا مریم خان	مارچ، اپریل
	اب نہیں تابِ سفر، کیوں؟	بنت مجتبیٰ مینا	مئی

	بتاؤ، دائرے	رخشندہ نوید	جون، جولائی
	دعا	ام عبدمنیب	اگست
	تیرے گھر کے صحن میں، بھیگی شام کی آتش زدگی	شمیم فاطمہ	ستمبر، اکتوبر
	ہجر موت کا فرشتہ	رخشندہ نوید	ستمبر
	عید	طاہرہ فرحت	نومبر
	اپنی لختِ جگر کی یاد میں (حفصہ اکرام)	شاہدہ سحر	دسمبر
	گھر کیسے تقسیم ہوا؟ دشتِ کربلا سے	شمیم فاطمہ	دسمبر
غزلیہ	غزلیں	طارق محمود طارق	مارچ، نومبر
	قطعات	نجمہ یاسمین یوسف	اپریل، اگست
	غزل	کرامت بخاری	جولائی
	غزلیں	شمیم فاطمہ	مئی، اگست
	غزلیں	شہود ہاشمی	جون، ستمبر، نومبر
	غزل	ڈاکٹر نزہت اکرام	ستمبر
	غزل	نصراللہ خان عزیز	نومبر
	غزل	فریدہ خانم	دسمبر
نمایاں خواتین کا تذکرہ	ازواج مطہراتؓ، بنات بنیؐ، حضرت آسیہؓ، حضرت مریمؑ، حضرت لیاؑ، حضرت سارہ وھاجرہؑ وغیرہ	آسیہ راشد	پورا سال سوائے ستمبر کے
	مجاہد بیویاں	سمیہ رمضان احمد/ میمومہ حمزہ	ستمبر
حقیقت وافسانہ	اک نئی صبح	کاشفہ حسین	جنوری
	ملال	نصرت یوسف	جنوری
	شام وسحر تازہ کریں	ڈاکٹر بشریٰ تسنیم	جنوری
	مقام کی تلاش	نجمہ سہیل	فروری
	جرم ہے صنفِ نازک ہونا	ڈاکٹر ممتاز عمر	فروری
	تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ	ڈاکٹر بشریٰ تسنیم	فروری
	منزل کتنی دور ہے؟	ڈاکٹر شگفتہ نقوی	مارچ
	کل اور آج	حمیرا خالد	مارچ
	آخری چھ ماہ	افشاں نوید	مارچ
	محبت ایسا دریا ہے	قانتہ رابعہ	مارچ
	خون کی ایک بوتل	ڈاکٹر شگفتہ نقوی	اپریل
	وہ بوئے گل تھا کہ نغمۂ جاں	ربیعہ ندرت	اپریل
	قدموں کی خاک	فریحہ مبارک	اپریل
	اَرْجمنی	نصرت یوسف	اپریل، مئی
	سفارش	احمد ندیم قاسمی	اپریل

	زیب النساء	ڈاکٹر شگفتہ نقوی	مئی
	اندیشے	حمیرا خالد	مئی
	ابھی کچھ لوگ باقی ہیں	امینہ بتول	مئی
	امید	حفصہ افضال	مئی
	حسن بیگانہ احساس جمال اچھا ہے	ساجدہ رفیق	مئی
	اعجاز	نصرت یوسف	جون
	گلشن کی خبر رکھنا	ام ایمان	جون
	ہمراہی	ڈاکٹر ممتاز عمر	جون
	نئے صبح و شام پیدا کر	فرحت طاہر	جون
	معرفت	امینہ بتول	جون
	لاپتہ	ڈاکٹر شگفتہ نقوی	جولائی
	مجھے کیا خبر تھی یارو!	قانتہ رابعہ	جولائی
	جنت گم گشتہ	ربیعہ ندرت	جولائی
	میں ہوں روزہ	حفصہ افضال	جولائی
	کانچ کے ٹکڑے	فوزیہ وحید	جولائی
	قرار	عالیہ حمید	جولائی
	مثالِ آئینہ دار	قانتہ رابعہ	اگست
	شاہ جی	ربیعہ ندرت	اگست
	سرِ راہ	تسنیم کوثر	اگست
	بیداری	زینب طارق	اگست
	ایک تھا بادشاہ	ممتاز مفتی	اگست
	میٹھا میوہ	قانتہ رابعہ	ستمبر
	تمہارا شکریہ	ربیعہ ندرت	ستمبر
	بھلائی	ڈاکٹر ممتاز عمر	ستمبر
	زندگی خوب صورت ہے	امینہ بتول	ستمبر
	دستِ دعا	عشرت سیف	ستمبر
	منزل ہی کٹھن ہے	ڈاکٹر بشریٰ تسنیم	ستمبر
	پرفیکٹ چوائس	نصرت یوسف	اکتوبر

	صبحِ تمنا	ام ایمان	اکتوبر
	اوڑھنی	تسنیم کوثر	اکتوبر
	پانیوں پر قدم	نصرف یوسف	اکتوبر
	خالی دامن	راشدہ سعید	اکتوبر
	اعتراف	سارہ اسمٰعیل	اکتوبر
	واپسی	ام ایمان	اکتوبر
	مسجد کی سیڑھیاں	عالیہ حمید	دسمبر
	آنگن	حمیرا خالد	دسمبر
	کہیں چاند راہوں میں کھو گیا	نصرت یوسف	دسمبر
آپ بیتی	داستان عطاو بخشش (گزشتہ سال سے جاری داستان کی آخری اقساط)	ڈاکٹر ثمین ذکا	جنوری، فروری
	کراچی سے ڈھاکہ تک	شیما ہمایوں	جون
سفرِ سعادت	دخولِ مدینہ، اک ذرا حرم تک، مسجد نبویؐ کے اندر، الوداع مدینہ، کل مسلم، وقت حضوری وغیرہ	قانتہ رابعہ	اپریل، جولائی، ستمبر، دسمبر
	گنبد خضریٰ کے سامنے	ڈاکٹر بشریٰ تسنیم	اگست
	حرم کی دنیا	زہرہ نہالہ	نومبر
انشائیہ	جو لگائے نہ لگے، کاہے کو بیاہی، نظر لگے نہ کہیں، ان کے دست وبازو کو، میرا رب ضرور سنتا ہے،	شمیم فاطمہ	مارچ، مئی، نومبر
ہلکا پھلکا	چلتے چلتے (ماہانہ کالم جو ساڑھے سات سال سے بخوبی چل رہا ہے)	فرزانہ چیمہ	پورا سال سوائے فروری، مارچ، ستمبر
	یہ جو اک منہ ہے، کتنی گرد پڑتی ہے..... کہ ساون آیا، سونے کا نوالہ..... تجھے عارضہ کوئی اور ہے	شمیم فاطمہ	جنوری، فروری، اگست، ستمبر، اکتوبر
	کھاتے پیتے لوگ	مہ جبیں سہیل	فروری
	تبسم زیرلب	انتخاب: ذروہ احسن	مارچ، مئی
	اردو کی فریاد	حفصہ افضال	جون
	عبداللہ نے امتحان دیا	ڈاکٹر سعدیٰ مقصود	جولائی
	بخیلوں کے قصے	میمونہ حمزہ	جولائی
	مہمان خصوصی	ڈاکٹر شگفتہ نقوی	ستمبر
	کھال اتار دو	ذروہ احسن	اکتوبر

	تماشا میرے آگے	روبینہ عاطف	نومبر
نہاں خانۂ دل	تاخیر	ڈاکٹر شاہدہ پروین	فروری
	دکھ کیا ہوتے ہیں؟	فرزانہ فاروق گیلانی	مارچ
	پتھروں کی بستی میں	حفصہ افضال	اگست
	زندہ دلانِ قوم	سارہ نور	ستمبر
	ہر گلی کوچے میں بازار لہو گرم ہوا	شہود ہاشمی	نومبر
سارا جہاں ہمارا	کیا اسلام اور آزادی نسواں جمع ہو سکتے ہیں؟	مونیکا مارکس	جنوری
	میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟	پروفیسر ڈاکٹر صوفیہ	ستمبر
ملاقات	بیگم نعیمہ جہانگیر کی یادداشتیں	آسیہ راشد	مارچ
زندگی کا فن	وقت ایک نظر نہ آنے والی طاقت	ڈاکٹر عظمیٰ اشفاق	مئی
	مسکرایئے	ساجدہ ناہید	جون
	ہنس کی چال	فریدہ خالد	اکتوبر
گوشۂ تسنیم	یادیں، جب خدا کسی کو نعمت دے، خالی دامن، جسے دل کہیں، گستاخ رسول کو جواب کیا ہو؟ شاپنگ لسٹ	ڈاکٹر بشریٰ تسنیم	جون، جولائی، ستمبر، دسمبر
خفتگانِ خاک	آنکھیں ترستیاں ہیں	تیمیہ صبیحہ	جنوری
	پیاری امی جان	نجمہ ساجد	فروری
	خوب تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر	ساجدہ ناہید	اپریل
	آہ! مولانا عبدالحق بلوچ	ثمینہ سعید	مئی
	رفتید و لے نہ از دل ما	بشریٰ تسنیم	جون
	اے صبح عید! گھر کو سجاؤں تو کس طرح؟	فرزانہ چیمہ	اگست
	آہ! ڈاکٹر نزہت اکرام	شمیم فاطمہ	اکتوبر
	کرتے ہیں محبت تو ہوتا ہے گماں اور	ربیعہ ندرت	اکتوبر
	مشعل پروین۔ میری پیاری بہن	غزالہ عزیز	نومبر
	میری آپی (فریدہ مقبول)	کوثر مسعود	دسمبر
تبصرۂ کتب	پیغامِ قرآن و حدیث	یوسف ثانی/غزالہ ارشد	اپریل
	تعمیرِ پاکستان: مذہبی و ثقافتی محرکات	ڈاکٹر محمد آفتاب خان/فرزانہ چیمہ	اپریل
	آس نے دل کا ساتھ نہ چھوڑا	قانتہ رابعہ/فرزانہ چیمہ	اپریل
	اسرائیل: آغاز سے انجام تک	میر بابر مشتاق/صائمہ اسماء	اگست

موضوعات	عنوانات	قلمکار	مہینہ
اشاریہ	اشاریہ ماہنامہ چمنِ بتول:2011	فرزانہ چیمہ	جنوری

علاوہ ازیں حُسنِ معاشرت، غذا وصحت، گھر داری، کچن کارنر، بتول میگزین اور محشرِ خیال، جیسے مستقل سلسلوں کے ساتھ چمنِ بتول اپنی بہار دکھلاتا ہے۔ یوں نصف صدی سے زائد عرصے سے یہ قارئین کے ادبی ذوق کا سامان کرتا چلا آ رہا ہے۔ اس پرچے کے ساتھ تعاون کرنا امورِ خیر میں سے ہے۔ اس کے معاون بنئے۔ اس میں لکھئے۔ اسے پڑھئے اور اسے زیادہ سے زیادہ پھیلایئے۔ مسرت وکامرانی کے مواقع پر اسے متعلقہ شخصیت کے نام جاری کروایا کریں۔ سال بھر آپ کی خوب صورت یادیں اس کے ساتھ رہیں گی اور تعمیرِ شخصیت کا اجر آپ کو الگ سے ملے گا۔ ان شاءاللہ العزیز

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات۔

فرزانہ چیمہ